بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیاد گار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

زیرِ سرپرستی:
عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ | ستمبر ۲۰۱۴ء | جلد نمبر ۳۸ شمارہ ۹

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی
نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی
منیجر: محمد محبوب عزیزی
تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی
مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی
مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی
مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ
دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور
اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY
Mubarakpur. Azamgarh
(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 20 روپے
سالانہ: 200 روپے

چیک اور ڈرافٹ
بنام
مدرسہ اشرفیہ
بنوائیں

کوڈ نمبر ———— 05462
دفتر ماہنامہ اشرفیہ ———— 250149
الجامعۃ الاشرفیہ ———— 250092
دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ
500 روپے
دیگر بیرونی ممالک
20 $ امریکی ڈالر 15 £ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ — الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی علمی سرگرمیاں اور دو اہم شخصیات — مبارک حسین مصباحی (۳)

تحقیقات

فقہی تحقیق — تقدیر اوقات (آخری قسط) — مولانا شمس الہدیٰ مصباحی (۱۱)

تحقیق و تنقید — نماز کی حالت میں سینہ پر ہاتھ باندھنے والی روایات — از ہار احمد امجدی مصباحی (۱۴)

فقہیات

آپ کے مسائل — کیا فرماتے ہیں.... — مفتی محمد نظام الدین رضوی (۱۷)

نظریات

فکر امروز — فلسفۂ اسلام اور مقامِ انسانیت — ڈاکٹر ظہور احمد دانشؔ (۱۹)

اسلامیات

مشاہدے — اقوامِ متحدہ میں مسلم سائنس دانوں کی یادگار — مولانا محمد فروغ القادری (۲۴)

شخصیات

یادِ رفتگاں — قاضی سید عبد الفتاح گلشن آبادی - حیات اور علمی آثار — محمد توفیق احسن برکاتی (۲۸)

سیاسیات

آئینۂ عالم — حق دفاع کے بہانے فلسطینیوں کی نسل کشی کی سازش — صابر رضا رہبرؔ (۳۳)

آئینۂ وطن — جارحانہ قوم پرستی اور مسلمان — ممتاز عالم مصباحی (۳۵)

بزمِ دانش

فکر و نظر — اردو میں منقبت نگاری کا آغاز و ارتقا — محمد شکیل احمد مصباحی/محمد طفیل احمد مصباحی (۴۱)

ادبیات

نقد و نظر — محامدِ رب (حمدیہ دیوان) — مبصر: مہتاب پیامی (۴۶)

خیابان حرم — نعتیں — حسن رضا اطہر/ڈاکٹر آفاق فاخری/وصی مکرانی واجدی/صابر سنبھلی (۴۹)

مکتوبات

صدائے بازگشت — محمد خلیل مصباحی چشتی/محمد اختر علی واجد القادری (۵۰)

وفیات

سفرِ آخرت — الحاج محمد حسین انصاری کا انتقال/حافظ محمد وسیم بقائی اللہ کو پیارے ہو گئے/الحاج محمد نور اللہ انصاری کا سفرِ آخرت/مولانا صابر رضا رہبر مصباحی کو صدمہ (۵۲)

سرگرمیاں

روداد چمن — الجامعۃ الاشرفیہ میں علامہ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ کا عرس (۵۴)

خیر و خبر — تنظیم ابنائے اشرفیہ شاخ ہوڑہ کا احتجاجی پروگرام/مالیگاؤں میں جشن یومِ رضا (۵۵)

اداریہ

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی موجودہ علمی سرگرمیاں اور دو اہم شخصیات

مبارک حسین مصباحی

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اس وقت نہ صرف برصغیر بلکہ مسلم دنیا کے بیش تر ممالک میں انتخاب ہے۔ امسال شوال میں داخلے کے لیے کمپٹیشن میں دو ہزار دس طلبہ بیٹھے جب کہ داخلے صرف چار سو پچاس کے ہوئے۔ وجہ صرف یہ نہیں کہ طلبہ ناکام ہوئے بلکہ ان کے قیام وطعام اور تعلیم و تربیت کا نظم کرنا بھی اہم مسئلہ ہے۔ جامعہ اشرفیہ کے فارغین اپنے ناموں کے ساتھ ”مصباحی“ کی نسبت لگاتے ہیں۔ اس نسبت کے فروغ میں چند بزرگوں نے پیش رفت کی اور اب یہ نسبت نئے برادران کے لیے وجہِ امتیاز بن گئی ہے۔ حلقۂ اشرفیہ میں جب ”حضرت مصباحی صاحب“ بولا جاتا ہے تو سامعین کی مراد صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی کی ذاتِ گرامی ہوتی ہے۔ موصوف مختلف علوم وفنون میں یکتاے روز گار ہیں۔ آپ کے وجود مسعود سے جامعہ اشرفیہ کی شہرت ومقبولیت میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ آپ الجامعۃ الاشرفیہ میں جون ۱۹۸۶ء بحیثیت صدر شعبۂ عربی تشریف لائے اور جامعہ کے تعلیمی اور تربیتی امور میں بے پناہ محنت فرمائی جس کے نتیجے میں اس کے تعلیمی، تربیتی اور امتحانی نظام میں حیرت انگیز ترقی ہوئی۔ سابق صدر المدرسین کے ریٹائر ہونے کے بعد یکم اگست ۲۰۰۰ء سے صدر مدرس منتخب ہوئے۔ آپ کا عہدِ صدارت گوناگوں اوصاف وکمالات کا حامل اور اصولی نکات کا ترجمان ہے۔ آپ نے تعلیمی نظم ونسق کے حسن اہتمام کا وہ گراں قدر کارنامہ انجام دیا کہ ایک عالم آپ کا مداح اور شیدائی ہے۔ نماز وجماعت کی پابندی اور دوسروں کو تاکید و ترغیب کے ساتھ تلاوت قرآن عظیم آپ کا معمول ہے۔ زہد وپارسائی اور تقوی شعاری میں بھی اپنے عہد میں کافی بلند ہیں۔ مطالعہ وتحقیق کے خوگر ہیں۔

آج ہندوستان کے اکثر مدارس کے ذمہ داران اپنے مدارس کے تعلق سے آپ کے مشوروں کے خواستگار رہتے ہیں۔ آپ جامعہ اشرفیہ کے طلبہ میں تعلیمی اور تربیتی اسپرٹ پیدا کرنے کے لیے خصوصی اجلاس بھی بلاتے اور ان میں خطاب فرماتے ہیں اور انھیں تعلیمی اور تربیتی میدانوں میں آگے بڑھنے کی مسلسل کوشش فرماتے رہے۔

صدر العلما اب ناظمِ تعلیمات

یکم رمضان ۱۴۳۵ھ /۳۰/ جون ۲۰۱۴ء کو آپ صدر المدرسین کے منصب سے ریٹائر ہو گئے، عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ اور اراکین نے باہم مشورے کے بعد آپ کو ”جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا ناظمِ تعلیمات“ منتخب فرمادیا۔ اس منصب پر فائز ہونے کے بعد آپ نے باضابطہ کام شروع کر دیا ہے اسی کے ساتھ آپ دو گھنٹے پڑھاتے بھی ہیں، اور بعض مدارسِ بیرونِ ضلع بھی اپنے تعلیمی و انتظامی امور میں مشاورت اور نگرانی کے لیے کچھ وقت لیتے ہیں۔

ولادت و تعلیم: صدر العلما کی ولادت ۱۸/ ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ /۹/ ستمبر ۱۹۵۲ء بروز سہ شنبہ بھیرہ، ولید پور ضلع اعظم گڑھ (موجودہ ضلع مئو) میں ہوئی۔ ”محمد“ نام رکھا گیا، اسی نام پر عقیقہ بھی ہوا۔ ابتدائی تعلیم والدہ ماجدہ سے حاصل کی، درجہ سوم تک پرائمری تعلیم مدرسہ اسلامیہ رحیمیہ بھیرہ میں ہوئی، اس ادارہ کے بانی شاہ رحیم اللہ فاروقی بھیروی علیہ الرحمۃ تھے جو انتہائی نیک سیرت، سنی صحیح العقیدہ اور صالح بزرگ تھے۔ انھوں نے ۱۳۴۵ھ /۱۹۲۶ء میں اس ادارے کی بنا ڈالی، مگر افسوس ان کے انتقال کے بعد اب ادارے پر دیوبندیوں نے قبضہ کر لیا۔

درجہ سوم کے بعد مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیر آباد میں پڑھنے گئے، یہاں ”محمد“ کے ساتھ ”احمد“ کا اضافہ ہوا۔ آپ کی تمام اسناد میں ”محمد احمد“ نام درج ہے۔ اس مدرسے میں ۴/ ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ ۸/ اپریل ۱۹۶۲ء بروز یک شنبہ باضابطہ داخلہ ہوا اور شعبان ۱۳۸۶ھ مطابق نومبر ۱۹۶۶ء تک ۵/ سال میں ابتدائی فارسی سے شرح جامی تک تعلیم حاصل کی۔

۱۰؍ شوال ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۲؍ جنوری ۱۹۶۷ء، دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور میں داخلہ لیا اور ۱۰؍ شعبان ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۳؍ اکتوبر ۱۹۶۹ء میں دستارِ فضیلت حاصل کی، پھر بحکمِ حافظِ ملت نور اللہ مرقدہ شوال ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء سے ربیع الآخر ۱۳۹۰ھ مطابق جون ۱۹۷۰ء تک اسی دار العلوم میں مزید تعلیم حاصل کی اور علوم وفنون میں گراں قدر صلاحیتوں سے آراستہ ہوئے۔

بیعت و اجازت: ۲۶؍ صفر ۱۳۹۳ھ مطابق یکم اپریل ۱۹۷۳ء بروز یک شنبہ بریلی شریف رضوی دار الافتا میں حضرت مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفیٰ رضا قادری علیہ الرحمۃ کے دستِ اقدس پر شرفِ بیعت حاصل کیا۔ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ میں جلالۃ العلم حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے دستِ مبارک پر سلسلہ قادریہ معمریہ منوریہ میں طالب ہوئے۔ حضرت شاہ منور علی الہ آبادی کی عمر شریف ساڑھے پانچ سو برس تھی۔ اس سلسلۂ منوریہ میں حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ سے حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک صرف چار واسطے ہیں۔

حضرت مجاہدِ ملت مولانا شاہ حبیب الرحمٰن قادری علیہ الرحمۃ نے مدرسہ فیض العلوم جمشید پور میں دلائل الخیرات شریف اور اور دیگر اوراد و وظائف کی سندِ اجازت عطا فرمائی۔

سیمینار و کانفرنس: حضرت صدر العلما رسمی کانفرنسوں میں شرکت سے پرہیز فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زبان وبیان کا بھی ملکہ عطا فرمایا ہے۔ آپ جس طرح مقالہ لکھتے ہیں اسی جامعیت اور معنویت کے ساتھ خطابات بھی فرماتے ہیں۔ سیمینار آپ کی دل چسپی کے خاص میدان ہیں۔ اب تک درجنوں سیمیناروں میں شرکت فرما چکے ہیں۔

قرطاس و قلم: حضرت صدر العلما مدظلہ العالی اپنی گوناگوں خوبیوں کے ساتھ قرطاس وقلم کے میدان میں بھی یگانۂ روزگار ہیں۔ آپ نے اپنے معاصرین اور تلامذہ کی بھی قلمی تربیت فرمائی۔ راقمِ سطور مبارک حسین مصباحی کے ہاتھ میں قلم انھیں کی تعلیم وتربیت کا نتیجہ ہے۔ بلند فکر، فصیح وبلیغ تحریریں آپ کا طرۂ امتیاز ہیں۔ اس میدان میں آپ نے مختلف جہتوں سے کام کیا ہے جو تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔ اب ہم ذیل میں اس کے چند اشاریے نوٹ کرتے ہیں۔

(۱) کسی مستقل کتاب یا رسالے کی تصنیف و تالیف
(۲) کسی مستقل موضوع پر مقالہ نویسی یا مضمون نگاری
(۳) کسی بزرگ عالم کی قدیم کتاب کی تحقیق وتدوین
(۴) کسی اہم کتاب یا رسالے کا ترجمہ، اردو سے عربی یا عربی سے اردو یا فارسی سے اردو
(۵) کسی اہم کتاب کی تسہیل اور اس پر تعلیقات و حواشی
(۶) کسی کتاب کی تقدیم وتقریب اور تقریظِ جلیل
(۷) متعلقین اور تلامذہ کی کتابوں پر نظرِ ثانی اور ان کی اصلاح

تصنیف کے میدان میں آپ کی حسب ذیل اہم علمی اور تحقیقی کتابیں منظرِ عام پر آئیں۔

[۱] تدوینِ قرآن [۲] معین العروض [۳] امام احمد رضا اور تصوف [۴] تنقیدِ معجزات کا علمی محاسبہ [۵] حدوث الفتن و جہاد اعیان السنن (عربی) [۶] رشتۂ ازدواج اسلام کی نظر میں [۷] امام احمد رضا کی فقہی بصیرت جد الممتار کے آئینے میں [۸] فرائض و آداب متعلّم و معلم [۹] خلفاے راشدین اور اسلام کا نظامِ اخلاق [۱۰] رسمِ قرآنی اور اصولِ کتابت [۱۱] مواہب الجلیل لتجلیۃ مدارک التنزیل (عربی) [۱۲] تین اہم صدارتی خطبے [۱۳] ضمیمہ قواعد الصرف بنام واحد جمع۔

ترتیب و نظرِ ثانی: حضرت صدر العلما نے کثیر کتابوں کو جدید ترتیب وتسہیل کے مرحلے سے گزارا اور انھیں اپنی گراں قدر صلاحیتوں سے مزین فرمایا۔ اس ضمن میں آپ کی مندرجہ ذیل کتابیں معروف ہیں:

[۱] اسلامی اخلاق وآداب [۲] مفتیِ اعظم ہند حقائق کے اجالے میں [۳] جہانِ مفتیِ اعظم - یکے از مرتبین [۴] معارف شارح بخاری - یکے از مرتبین۔

تصحیح، تقدیم، تحشیہ، ترجمہ: [۱] معانقۂ عید [۲] جمل النور فی نھی النساء عن زیارۃ القبور [۳] جد الممتار اول [۴] جد الممتار ثانی [۵] تا

۸]فتاویٰ رضویہ جدید-اول، سوم، چہارم، نہم کی عربی و فارسی عبارتوں کا ترجمہ[۹]براءتِ علیٰ از شرک جاہلی[۱۰]مقامع الحدید علیٰ خد المنطق الجدید[۱۱] رسومِ شادی[۱۲]تقدیر و تدبیر[۱۳]الکشف شافیاً حکمِ فونوجرافیا۔ عربی[۱۴]تابِ منظم (اردو ترجمہ اکسیر اعظم مع شرح فارسی مجیرِ معظم)۔

بہت سی کتابوں پر نظرِ ثانی، در جنوں گراں قدر مقالات و مضامین اور متعدّد کتابوں پر تقدیمات و تقریظات بھی ہیں۔حضرت صدر العلما کی قلمی خصوصیت یہ ہے کہ آپ انتہائی مختصر اور جامع لکھتے ہیں، جن مضامین کی توضیح و تشریح میں عام اہلِ قلم صفحات کے صفحات سیاہ کرتے ہیں آپ چند سطروں میں پوری جامعیت سے سمیٹ لیتے ہیں۔ ندرتِ فکر و خیال اور فصاحت و بلاغت آپ کی تحریروں کا حسنِ امتیاز ہے۔

المجمع الاسلامی مبارک پور کا قیام و اہتمام: چند احباب نے المجمع الاسلامی کی مبارک پور میں ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ/دسمبر ۱۹۷۶ء میں بنا ڈالی۔ ۱۹۸۱ء میں مولانا لیسٰ اختر مصباحی اور مولانا افتخار احمد قادری کے بیرون ملک چلے جانے کے بعد اس ادارے کا کام فیض العلوم محمد آباد گوہنہ میں منتقل ہو گیا جہاں حضرت مصباحی صاحب صدر المدرسین تھے۔ پھر ۹۵-۱۹۹۴ء میں ملت نگر مبارک پور میں اس کے لیے زمین خریدی گئی۔ عمارت کا سنگ بنیاد ۲۷/ جون ۱۹۹۶ء کی شام کو بعدِ عصر رکھا گیا۔ جب عمارت کا ایک حصہ تیار ہو گیا تو ۱۹۹۸ء سے یہ ادارہ محمد آباد سے منتقل ہو کر ملت نگر، مبارک پور میں آ گیا ہے۔ ان احباب میں آپ کے علاوہ مولانا عبد المبین نعمانی، مولانا لیسٰ اختر مصباحی، مولانا افتخار احمد مصباحی اور مولانا بدر القادری مصباحی قابلِ ذکر ہیں۔ صدر العلما اور مولانا عبد المبین نعمانی صاحبان اپنے چند احباب کے ساتھ اس بارِ گراں کو لے کر چل رہے ہیں۔ المجمع الاسلامی، مبارک پور آج بھی اہلِ سنت و جماعت میں اپنے سخت اصولوں کے پیشِ نظر منفرد و بے مثال ہے۔ المجمع الاسلامی ملت نگر سے آج تک مختلف علوم و فنون کی پونے دو سو کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

مجلسِ برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور: خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ ایک عظیم خانقاہ ہے اس وقت اس کے سجادہ نشین علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پروفیسر امین ملت حضرت سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی ہیں۔ آپ نے فکر و قلم اور روحانیت کے حوالے سے بڑی تاریخی خدمات انجام دی ہیں۔ قریب ۲۰۰۰ء میں آپ کی سرپرستی میں درسی کتابوں کا عظیم مرکز "مجلس برکات" جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں قائم ہوا۔ آپ نے ۲۸/ محرم ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۳/ اپریل ۲۰۰۱ء کو ممبئی میں ایک گراں قدر تحریر رقم فرمائی۔ ہم ذیل میں اس کا ایک حصہ ملخصاً نوٹ کرتے ہیں۔

"اہلِ سنت کے دینی مدارس میں رائج کتب پر حواشی بالعموم اہلِ سنت ہی کے تھے جن کی طباعت و اشاعت کا اہتمام بھی اہلِ سنت ہی کرتے، انیسویں صدی کے نصف اخیر میں بعض غیر مسلموں نے بھی یہ کام شروع کیا جن میں منشی نول کشور کا نام سرِ فہرست ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کا مقصد تجارتی نفع تھا نہ کہ دینی خدمت۔ پھر جب کچھ نئے فرقے اور مدرسے وجود میں آئے تو انھوں نے بھی یہ کام شروع کیا۔ بعد میں انھوں نے یہ ستم ڈھایا کہ بہت سی کتابوں سے سنی مصنفین و محشین کے نام اڑا کر چھاپنا شروع کر دیا تاکہ ناظرین کو یہ گمان ہو کہ مصنفین و محشین بھی ناشر ہی کی جماعت کے ہوں گے، کچھ نئے حواشی بھی لکھے گئے، جن میں اہلِ سنت کے سابقہ حواشی و شروح کی عبارتیں بعینہٖ نقل کی گئیں مگر ان کا حوالہ بھی نہ دیا گیا۔ یہ سارا کام تجارتی منفعت اور دنیوی نام آوری کی غرض سے کیا گیا۔ لیکن بعد میں بد مذہب ناشرین نے اس تجارتی نفع اندوزی اور سرقہ و نام آوری کے عمل کو اپنے طبقہ کی ایک علمی و دینی خدمت کے روپ میں شہرت دینا اور یہ پروپیگنڈا کرنا شروع کیا کہ درسیات کی تحریر و اشاعت کا سہرا صرف ہمارے سر ہے، اہلِ سنت کا اس میدان میں کوئی حصہ نہیں۔

اس مسلسل پروپیگنڈے کے باعث نئے سنی طلبہ اور عام قارئین غلط فہمی کا شکار ہونے لگے۔ اب ضرورت تھی کہ ان ناشرین کے چہروں سے تلبیس کی چادر ہٹا دی جائے اور یہ عیاں کر دیا جائے کہ انھوں نے کس چابک دستی سے اہلِ سنت کی خدمات کو اپنے خانے میں ڈال لیا۔ اسی احساس کے تحت خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ اور اس کے متوسلین نے اہلِ سنت و جماعت کے ممتاز ترین مرکزی ادارے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کو اس طرف متوجہ کیا۔ مقامِ مسرت ہے کہ اس تحریک کے جواب میں اشرفیہ کی طرف سے لبیک کا آوازہ بلند ہوا، اشرفیہ کے اکابر علمائے کرام نے "مجلسِ برکات" کی بنیاد ڈالی اور طے ہوا کہ:

(۱) جن کتب و حواشی سے اہلِ سنت کا نام اڑا کر شائع کیا جا رہا ہے، انھیں اصلی شکل میں لایا جائے۔

(۲) اہلِ سنت کے جن حواشی کی اشاعت موقوف ہے انھیں پھر شائع کیا جائے۔

(۳) جن کتابوں پر حواشی کی ضرورت ہے ان پر نئے حواشی لکھے جائیں۔"

بفضلہ تعالیٰ ایک مختصر مدت کے بعد مجلس برکات کی صدارت صدر العلما کے حوالے ہوئی۔ آپ نے انتہائی محنت اور تدبر سے اس کام کو شروع فرمایا اور تینوں رخوں پر بھرپور توجہ فرمائی۔ حسب ضرورت موقع موقع سے بدعقیدہ ناشرین کی چابک دستیوں کو بھی اجاگر کیا۔ اب تک فارسی کی پہلی سے بخاری شریف تک ۹۸ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ مجلس برکات کا آفس پہلے صرف مبارک پور میں تھا اب باضابطہ دہلی میں بھی ایک آفس قائم ہو چکا ہے کتابوں کی طباعت واشاعت بھی اعلیٰ درجے کی ہے۔ حضرت صدر العلما نے اس کام کے لیے اساتذہ اشرفیہ کے ساتھ دیگر اداروں کے باصلاحیت اساتذہ سے بھی مدد لی اور یہ کام خالی اوقات کے ساتھ رمضان المبارک کی تعطیلات میں بھی کرایا۔ اس وقت بھی اس کا باقی ماندہ کام چل رہا ہے۔ اس اہم علمی اور تحقیقی کام کے لیے حضرت صدر العلما بے پناہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

مجلس شرعی کی صدارت: ۲۳/ جمادی الآخرہ ۱۴۱۳ھ/ ۱۹/ دسمبر ۱۹۹۲ء کو عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفہ نے علمائے اشرفیہ کی ایک میٹنگ بلائی اور بہ اتفاقِ رائے حضرت صدر العلما کو رکن منتخب کیا۔ واضح رہے کہ اس وقت شارحِ بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ باحیات تھے۔ انھیں ایک بزرگ اور انتہائی ماہر فقیہ ہونے کی حیثیت سے مجلسِ شرعی کا سرپرست منتخب کیا گیا، جب کہ حضرت عزیز ملت دام ظلہ العالی کو بھی سرپرست منتخب کیا گیا۔

مجلسِ شرعی کے قیام کے وقت حسبِ ذیل مقاصد پیشِ نظر تھے:

(۱) سراج الامۃ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان اور آپ کے اصحاب کی "سنتِ تدوینِ فقہ" کا احیا اور جدید تقاضوں کے مطابق فقہی احکام کی جامع کتابوں کی تالیف۔

(۲) نو پید مسائل کا شرعی حل تلاش کرنا اور اس کے لیے مجالسِ مذاکرہ کا انعقاد۔

(۳) نوجوان علما کی فقہی تربیت، تاکہ مستقبل قریب میں بالغ نظر فقہا کا گروہ تیار ہو سکے۔

(۴) مجلسِ شرعی کے تحت تالیف شدہ کتب و رسائل، حل شدہ مسائل، منتخب مقالات و مباحث اور اس کے کاموں سے متعلق مفید معلومات کی اشاعت۔

۱۸/ رجب ۱۴۱۸ھ/ ۱۹/ فروری ۱۹۹۷ء کو خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے سجادہ نشیں امینِ ملت حضرت سید شاہ محمد امین میاں برکاتی دامت برکاتہم العالیہ کو باضابطہ رکن منتخب کیا گیا۔

۲/ محرم ۱۴۲۵ھ/ ۲۳/ فروری ۲۰۰۴ء کو حضرت عزیز ملت دامت برکاتہم العالیہ نے مجلسِ شرعی کی میٹنگ بلائی اور حضرت صدر العلما کو مجلسِ شرعی کا صدر منتخب فرمایا اور اس میٹنگ میں حضرت امینِ ملت کو سرپرست منتخب کیا گیا۔ حضرت صدر العلما نے اپنی صدارت کے عہد میں مجلس شرعی کی عمدہ خدمات انجام دی ہیں۔ حضرت ہی کی جانب سے سوال نامہ جاری ہوتا ہے۔ تمام مقالات بھی آپ کے پاس جمع ہوتے ہیں۔ تقریباً تمام سیمیناروں میں آپ نے صدارتی خطبے یا استقبالیہ خطبے تحریر فرمائے۔ عام طور پر سیمیناروں کے انعقاد اور اہتمام و انصرام میں آپ کا کلیدی کردار ہوتا ہے۔ سیمیناروں میں فیصلے بھی آپ ہی نوٹ فرماتے ہیں۔ سرد و گرم مسائل کو بھی آپ بڑی خوب صورتی سے حل فرما دیتے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کا علمی، تحقیقی اور فقہی سایہ کرم دراز فرمائے۔

حضرت صدر العلما نے پہلا سفرِ حج و زیارت ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۶ء میں کیا اور اب امسال ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ/ ستمبر ۲۰۱۴ء میں بھی سفرِ حج و زیارت کا ارادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے جملہ علمی اور روحانی اسفار میں بے پناہ رحمتیں، نعمتیں اور وسعتیں عطا فرمائے۔ آمین۔

.....اور اب سراج الفقہا صدر المدرسین ہو گئے

حضرت عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور جامعہ کی فعال انتظامیہ نے باہم مشورے کے بعد سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی دام ظلہ العالی کو اب جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا صدر المدرسین منتخب فرما دیا، باضابطہ انتخاب کی تاریخ ۲/ رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ/ یکم جولائی ۲۰۱۴ء ہے۔ ہم اس مبارک موقع پر ان تمام حضرات کی بارگاہوں میں ہدیۂ تبریک و تحسین پیش کرتے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور اس کی انتظامیہ کے لیے اس صدارت کو باعثِ خیر و برکت اور ذریعۂ عروج و ارتقا بنائے اور حضرت سراج الفقہا کی عمر، اقبال اور علم و عمل میں بے حد برکتیں عطا فرمائے۔ آمین۔

سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مد ظلہ العالی کی بلند پایہ شخصیت یگانۂ روزگار ہے۔ آپ فقہ حنفی کے قدیم مسائل اور اصول وضوابط کی روشنی میں نت نئے مسائل حل کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں، اس لیے آپ کو "محقق مسائلِ جدیدہ" کہا جاتا ہے۔ ان کا یہ خطاب انھیں کو زیب دیتا ہے، عہدِ حاضر میں سب سے زیادہ عمل آپ کے فتاویٰ پر ہوتا ہے، بقول مفتیِ اعظم راجستھان مفتی محمد اشفاق نعیمی علیہ الرحمۃ "اس وقت ہندوستان میں سب سے زیادہ عمل مفتی محمد نظام الدین رضوی کے فتاویٰ پر ہوتا ہے"۔ آپ جلیل القدر فقیہ ہونے کے ساتھ بلند پایہ محقق واستاذ بھی ہیں۔ آپ جامعہ اشرفیہ میں اعلیٰ درجات کی اہم اور بنیادی کتابیں پڑھاتے ہیں۔ اس وقت تخصص فی الفقہ اور مشقِ افتا وقضا کے طلبہ فقہ حنفی میں آپ ہی کو آخری فیض رساں شخصیت سمجھتے ہیں۔ آپ کی تحقیقات فقہی بصیرت سے لبریز ہوتی ہیں۔ مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سیمینار کے دوران جب بحثیں ہوتی ہیں تو آپ کی علمی وفقہی نکتہ رسی کا منظر قابلِ دید ہوتا ہے۔ جب آپ جدید مسائل کی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ دلائل کا انبار لگاتے ہیں تو عام علما اور محققین ورطۂ حیرت میں ڈوبتے چلتے جاتے ہیں۔ آپ دیگر علوم وفنون پر بھی بھرپور لکھتے ہیں۔ آپ اپنے اکابر اور اساتذۂ کرام کا بھی حد درجہ ادب واحترام فرماتے ہیں۔ احباب سے محبت اور چھوٹوں پر شفقت آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ عبادت وریاضت اور زہد وپارسائی میں بھی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ احتیاط اور تقویٰ شعاری میں بھی ان کا قد بہت بلند ہے۔ نرم خو، ملنسار اور بلند اخلاق ہیں، بدمذہبوں سے نفرت فرماتے ہیں اور اپنوں سے ٹوٹ کر ملتے ہیں۔ عام طور پر آپ کے پاس ملک اور بیرون ملک سے فقہی سوالات آتے ہیں۔ آپ کا موبائل بھی فقہی سوالات کے جوابات کے لیے عام طور پر مصروف رہتا ہے۔

ولادتِ باسعادت: حضرت سراج الفقہا کی ولادت ۷۷ ۱۳ھ/ ۲/ مارچ ۱۹۵۷ء بھوجولی پوکھراٹولہ ضلع دیوریا میں ہوئی۔ یہ گاؤں اب ضلع کشی نگر میں ہے۔

تعلیم و تربیت: ۱۱/ برس کی عمر میں ۱۹۶۸ء کے اوائل میں اپنے گاؤں سے ڈیڑھ کلو میٹر دور موضع غلامی چھپرہ میں رسم بسم اللہ خوانی ادا فرمائی۔ آپ چوں کہ انتہائی ذہین اور مضبوط قوتِ حافظہ کے حامل تھے، کچھ ہی دنوں میں آپ نے ناظرہ قرآن عظیم ختم فرمایا، اس کے بعد اپنے گاؤں کے مکتب میں معلم آگئے تو وہیں تعلیم کا سلسلہ شروع فرمایا، کچھ دنوں موضع کہرگڈی ضلع دیوریا میں تعلیم پائی۔ ان مکاتب میں آپ نے درجہ دوم کے معیار کی اردو، فارسی کی پہلی اور میزان الصرف کے چند اسباق پڑھے۔ ۷۳-۱۹۷۲ء میں انجمن معین الاسلام شہر بستی میں داخلہ لیا۔ یہاں درسِ نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ انھیں ایام میں حضرت نے سنا کہ مدرسہ عزیز العلوم نانپارہ میں بڑی اچھی تعلیم ہو رہی ہے۔ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء میں آپ نانپارہ ضلع بہرائچ چلے گئے۔ وہاں آپ حضرت مفتی شبیر حسن رضوی مصباحی دام ظلہ العالی کے درس سے بہت متاثر ہوئے۔ دیگر اساتذہ میں مولانا عبد الوحید، مولانا حسیب رضا اور مولانا سمیع اللہ تھے۔

۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء کو آپ خاکِ ہند کی شہرہ آفاق درس گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور آگئے، یہاں درجۂ سابعہ میں داخلہ لیا، یہاں آپ نے درجۂ سابعہ سے تخصص فی الفقہ تک چار سال تعلیم حاصل کی، آپ یہاں کے علمی ماحول اور اساتذۂ کرام کی بلند اخلاقی سرفرازیوں سے بے حد متاثر ہوئے اور تمام امتحانات میں اعلیٰ درجہ سے کامیاب ہوئے۔ ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء میں سند ودستار سے نوازے گئے۔

آپ اپنے تمام اساتذہ سے بے حد متاثر ہیں لیکن سب سے زیادہ قرب شیخ القرآن حضرت مولانا عبد اللہ خاں عزیزی علیہ الرحمۃ سے رہا۔ آپ نے ان کے زیرِ نگرانی تخصص فی الفقہ کا مقالہ لکھا انھوں نے اس دوران آپ کو بہت کچھ عطا فرمایا۔ آپ ان کی مدح سرائی میں ہمیشہ رطب اللسان رہتے ہیں۔ آپ ان کی مشہور کتاب "معارف التنزیل" میں "کتاب اور صاحبِ کتاب" کے ذیل میں رقم طراز ہیں:

"ہمارے جملہ اساتذہ الحمد للہ مشفق ہی ملے، البتہ شخصیت سازی میں جن کا کردار کسی بھی حیثیت سے نمایاں رہا، ان میں حضرت شیخ القرآن سرِ فہرست ہیں۔ میرے پاس جو کچھ علمی سرمایہ ہے وہ درجہ تحقیق کی برکت ہے۔ سچ یہ ہے کہ تحقیق کے دو سال ہی میری طالب علمی کے عہدِ زریں ہیں۔ اس درجہ میں تحقیق وتفحص وکثرت مطالعہ سے ذہن وفکر میں ایسا انجلا پیدا ہوا کہ اس کے مقابل پہلے کا دور تاریک سا نظر آتا ہے۔"

(معارف التنزیل، کتاب اور صاحبِ کتاب، ص:۲۵، المجمع العزیزی، روناہی، فیض آباد)

فتویٰ نویسی میں یکتایے روزگار: ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ/ اکتوبر ۱۹۷۸ء میں آپ بحیثیت معین المدرسین منتخب ہوئے اور یہ سلسلہ شوال ۱۴۰۰ھ/ اگست ۱۹۸۰ء تک بحسن وخوبی جاری رہا۔ اس کے بعد آپ کا تقرر بحیثیت مدرس اور مفتی جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں محرم الحرام

۱۴۰۱ھ مطابق نومبر ۱۹۸۱ء میں ہوا۔

حضرت سراج الفقہا مدظلہ العالی نے باضابطہ فتویٰ نویسی کی تربیت شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں حاصل کی۔ حضرت شارح بخاری، حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ اور حضرت مفتی اعظم ہند بریلوی علیہ الرحمۃ کے تربیت یافتہ تھے۔ آپ امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی فکروں کے حامل اور زبردست ترجمان تھے، اس طرح حضرت سراج الفقہا دام ظلہ العالی دو واسطوں سے امام احمد رضا کی فکروں کے ترجمان ہوئے، آپ نے فقہی مسائل و تحقیقات میں امام احمد رضا کے افکار عالیہ سے بے پناہ استفادہ کیا ہے۔ آپ فتویٰ نویسی میں اکابر فقہاے حنفیہ کی کتابوں کے ساتھ فتاویٰ رضویہ سے بھی خصوصی استفادہ کرتے ہیں۔ اس حیثیت سے آپ داعیِ اسلام ہونے کے ساتھ داعیِ فکر رضا بھی ہیں۔ حضرت سراج الفقہا نے ۱۴۰۱ھ /۱۹۸۱ء سے ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء تک مکمل بیس سال حضرت شارح بخاری علیہ الرحمۃ کی نگرانی اور سرپرستی میں فتویٰ نویسی کا کام کیا۔

حضرت سراج الفقہا نے اپنے استاذ گرامی حضرت شارح بخاری علیہ الرحمۃ کی تربیت کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے:

"ہم سبھی لوگوں نے فتویٰ نویسی اس طور پر سیکھی کہ سوال پڑھ کر حضرت کو سناتے، اور حضرت اس کا جواب املا کراتے، املا کے دوران حوالے کے لیے فقہی عبارتوں کی تلاش کبھی املا نویس کرتے اور کبھی خود حضرت۔ اس دوران ہم الگ سے کچھ مسائل کا جواب اپنے طور پر بھی لکھ کر سناتے اور اصلاح لیتے۔ جب حضرت کو یہ محسوس ہوتا کہ اب یہ خود سے فتویٰ لکھ سکیں گے تو املا نویسی بند کر کے اپنے طور پر فتویٰ لکھنے کا کام سپرد فرماتے، پھر اس کی اصلاح کر کے اپنی تصدیق کے ساتھ جواب جاری کرتے۔

فتوے کی اصلاح کا کام بہت مشکل ہوتا ہے۔ خود میرا حال یہ ہے کہ سوال بار بار بغور پڑھتا ہوں، پھر مطالعہ کر کے اس کا جواب لکھتا ہوں، لکھنے کے بعد ایک بار پھر سوال و جواب پر نظرِ ثانی کرتا ہوں۔ ان مراحل سے گزر کر پھر اصلاح کے لیے حضرت کو سناتا ہوں۔ حضرت پورا سوال و جواب بہت غور سے حاضر دماغی کے ساتھ سنتے اور اصلاح فرماتے ہیں، کبھی کبھی فرماتے ہیں کہ سائل نے ایک بات یہ بھی دریافت کی ہے اس کا جواب نہیں ہوا ہے۔ میرے ہزاروں فتاویٰ ہیں، اور ان پر حضرت کی قیمتی اصلاحات بھی۔ نہ سب یاد ہیں، نہ سب کو اس وقت پیش کر سکتا ہوں۔

مفتی پر لازم ہے کہ نقول مذہب پر سختی کے ساتھ قائم رہ کر اسی کے مطابق فتوے لکھے، لیکن ساتھ ہی حالاتِ زمانہ کی رعایت، عرف و عادات ناس سے واقفیت اور صورتِ مسئلہ کی تبدیلی پر بھی نظر رکھنی ضروری ہوتی ہے، میں اس باب میں جامدِ محض تھا، مگر اب جامد نہیں۔ یہ تبدیلی مکمل طور پر حضرت (شارح بخاری) دام ظلہ العالی کی اصلاح و تربیت کا فیض ہے، جدید مسائل میں عصری اسلوب پر میری جو بھی تصانیف ہیں وہ اسی فکری پیداوار کی دین ہیں، ورنہ کہاں وہ جمود اور کہاں یہ شعور۔" (معارفِ شارح بخاری، ص: ۸۷۳-۸۷۵ ملخصًا، ناشر: رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰ء)

حضرت شارح بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنے تلمیذ رشید حضرت سراج الفقہا کی کتاب "جدید بینکاری اور اسلام" کی "تصدیق جلیل" میں لکھا ہے۔

"جب یہ (حضرت سراج الفقہا) ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں فارغ ہو گئے تو ان کے سر پر ہوش مندی کے ستارے کو میرے علاوہ اس وقت کے (جامعہ اشرفیہ کے) اربابِ حل و عقد نے بھی دیکھا، میرے مبارک پور پہنچنے کے بعد دار الافتا کا کام بہت بڑھ گیا تھا، دار الافتا میں بھی ایک آدمی کی ضرورت تھی، میری درخواست پر اربابِ حل و عقد نے انھیں منتخب کرنے میں کوئی غلطی نہیں کی تھی، بلکہ ایسا انتخاب کیا تھا جو بالکل صحیح اور بجا تھا۔ تدریس و افتا دونوں شعبوں میں یہ ہر طرح کامیاب رہے، شعبۂ افتا میں ان کی کامیابی کی دلیل یہ کتاب تو ہے ہی، ان کے ہزاروں فتاویٰ بھی ہیں اور ان کی دوسری تصانیف بھی۔

اس وقت جب کہ میں بہ تقاضاے سن، اضمحلال قویٰ اور ضعف بصارت کی وجہ سے، نیز بعض شدید ترین ذہنی الجھنوں کی وجہ سے اہم فتاویٰ لکھنے سے معذور ہوں، یہی اس قسم کے تمام فتاویٰ لکھتے ہیں اور بہت غور و خوض اور کامل مطالعہ کے بعد لکھتے ہیں جس سے مجھے ان پر مکمل اعتماد ہے اور انشاء اللہ رہے گا۔" (جدید بینکاری اور اسلام، تصدیقِ جلیل از شارح بخاری، ص: ۱۷، ۱۸، ناشر: مکتبہ برہانِ ملت، مبارک پور)

جامعہ اشرفیہ میں تدریسی خدمات: جامعہ اشرفیہ سے فراغت کے بعد ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء سے آپ باضابطہ مدرس بھی ہوئے۔ اس وقت آپ کی تدریس کو ۳۴/ سال سے زیادہ ہو رہے ہیں۔ عام طور پر دو گھنٹیاں پڑھاتے ہیں، مگر سچی بات یہ ہے کہ دورانِ تدریس افہام و تفہیم کا حق ادا فرما دیتے ہیں۔ تدریس کے حوالے سے آپ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ طلبہ کو زدوکوب اور سختی کے ذریعہ درس کا پابند نہ بنایا جائے

بلکہ مدرس کی علمی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے درس کو اتنی محنت اور کوشش سے پڑھائے کہ طلبہ شاداں وفرحاں درس میں شریک ہوں۔ ہم لوگوں کی جماعت نے ہدایہ اولین کا درس حضرت مفتی صاحب کی درس گاہ میں لیا حضرت کا اندازِ تدریس انتہائی پرکشش ہوتا ہے۔ وہ کسی بھی مسئلے کی وضاحت کے لیے انتہائی جامعیت کی ساتھ پس منظر اور پیش منظر پر گفتگو فرماتے اور پھر عبارت کی تشریح فرماتے تو سب کچھ دو دو چار کی طرح واضح ہو جاتا تھا۔ حضرت دورانِ درس بحث کی تنقیح کے لیے مسائل کے استخراج پر بھی روشنی ڈالتے۔ سچی بات یہ ہے کہ آپ تدریسی میدان میں بھی بہت اعلیٰ اور بہت بلند معیار رکھتے ہیں۔

تدریس کے حوالے سے آپ کا بیان ہے کہ دوسرے ہی سال ہمیں ''جلالین شریف'' پڑھانے کو مل گئی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے جلالین شریف کے کئی صفحات کا مطالعہ کیا مگر کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی جس سے طلبہ میں درس کی رغبت پیدا ہو، خیر بہت سوچ کر میں استاذِ گرامی حضرت علامہ عبداللہ خاں عزیزی کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اپنی الجھن ان کے سامنے پیش کی، حضرت ہماری الجھن سن کر مسکرانے لگے اور پھر فرمایا ''جلالین شریف میں تفسیر کا کوئی نقطہ بھی زائد نہیں ہے، ہر لفظ بقدرِ حاجت لایا گیا ہے اور ساتھ ہی اس لفظ کے ذریعہ تفسیر کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہے۔ آپ وجہِ تفسیر بتانے کا التزام کریں، درس مقبول ہوگا۔'' پھر حضرت نے تین چار سطریں پڑھ کر مختلف کلمات پر توجہ دلا کر ان کی وجہِ تفسیر بتائی۔ حضرت سراج الفقہا فرماتے ہیں: ''اب مجھے گوہرِ مقصود حاصل ہو گیا تھا اور قلب ونظر کے دریچے کھل چکے تھے، دل باغ باغ ہو گیا۔ ہم نے اسی کے مطابق درس شروع کیا اور طلبہ میں اس کا شہرہ ہونے لگا۔''

حضرت سراج الفقہا اس کے بعد لکھتے ہیں:

''دوسرے یا تیسرے روز حضرت صدر المدرسین بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب قبلہ دام ظلہ العالی (علیہ الرحمۃ) میری درس گاہ میں تشریف لائے اور فرمایا کہ کس طرح پڑھاتے ہو کہ طلبہ میں بے پناہ پذیرائی ہو رہی ہے؟ میں نے کہا کہ وجوہِ تفسیر کے بیان کا التزام کرتا ہوں تو فرمانے لگے کہ سبحان اللہ، یہی طریقۂ تدریس حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ کا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ حضور حافظِ ملت کے ایک تلمیذ کے ذریعہ مجھے ان کی (علمی) میراث کا نہایت قیمتی سرمایہ ملا اور اب وہ میراث ان کے تلمیذ کے تلامذہ میں بغیر کسی ''مناسخہ'' کے تقسیم ہو رہی ہے۔''

(معارف التنزیل، کتاب اور صاحبِ کتاب، ص:۲۶، ۲۷)

حضرت سراج الفقہا کی درسی تقریریں انتہائی سادہ اور مؤثر ہوتی ہیں۔ حسبِ ضرورت مسائل کی تفہیم کے لیے محسوس مثالیں بھی دیتے ہیں اور اپنے منفرد اندازِ بیان کی لطافتوں سے درس دل ودماغ میں اتار دیتے ہیں، پیچیدہ اور الجھی ہوئی بحثوں کو بھی اپنے دل کش انداز سے بڑی آسانی سے ذہنوں میں اتار دیتے ہیں۔ عام طور پر آپ کی درسی تقریریں مختصر اور جامع ہوتی ہیں اور جب ضرورت پڑتی ہے تو قدرے تفصیل بھی فرما دیتے ہیں آپ بلا شبہہ ایک کامیاب اور باصلاحیت استاذ ہیں۔

دل چسپی کے میدان: تدریس، فتویٰ نویسی، مقالہ نگاری، جلسۂ عام میں سوال وجواب کے ذریعہ تبلیغِ دین، سیمیناروں میں شرکت، تادمِ تحریر ایک سائنسی، ایک سماجی، ایک اصلاحی، تین تاریخی، دو تعلیمی اور ۴۰/ فقہی سیمیناروں کے لیے مقالے لکھے جو مقبول ہوئے۔ نیز ان سیمیناروں میں شرکت کی، کانفرنسوں کی شرکت اس کے سوا ہے۔ مجموعی طور پر اب تک ۶۰/ سیمیناروں اور کانفرنسوں میں شرکت کی۔ کانفرنسوں میں فقہی سوال وجواب کا سلسلہ ۲۰۰۰ء سے شروع فرمایا۔

حضرت سراج الفقہا عظیم فقیہ اور محقق ہیں۔ حضرت عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ نے مجلسِ شوریٰ میں منظوری کے بعد علماے اشرفیہ کی ایک میٹنگ بلائی اور باہم مشورے کے بعد ۲۳/ جمادی الآخرہ ۱۴۱۳ھ/ ۱۹/ دسمبر ۱۹۹۲ء کو مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا قیام ہوا اس مجلس میں دیگر ذمہ داروں کے ساتھ حضرت سراج الفقہا کو رکن منتخب کیا گیا۔

مختلف ادوار سے گزرتے ہوئے حضرت عزیز ملت نے ۲/ محرم ۱۴۲۵ھ/ ۲۳/ فروری ۲۰۰۴ء کو میٹنگ بلائی اور حضرت سراج الفقہا کو باضابطہ مجلسِ شرعی کا ناظم منتخب کیا گیا۔

تصانیف: تصانیف کی تعداد ۵۱/ ہے، جن کی نوعیت اور عناوین یہ ہیں:

[۱]الحواشی الجلیۃ فی تایید مذہب الحنفیۃ علیٰ شرح صحیح مسلم [۲]فقہ حنفی کا تقابلی مطالعہ کتاب و سنت کی روشنی میں [۳]عصمتِ انبیا [۴]لاؤڈ اسپیکر کا شرعی حکم [۵]شیئر بازار کے مسائل [۶]جدید بینکاری اور اسلام [۷]مشینی ذبیحہ مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں [۸]مبارک راتیں [۹]عظمتِ والدین [۱۰]امام احمد رضا پر اعتراضات - ایک تحقیقی جائزہ [۱۱]ایک نشست میں تین طلاق کا شرعی حکم [۱۲]فقہ اسلامی کے سات بنیادی اصول [۱۳]دو ملکوں کی کرنسیوں کا اُدھار تبادلہ و حوالہ [۱۴]انسانی خون سے علاج کا شرعی حکم [۱۵]دُکانوں، مکانوں کے پٹہ و پگڑی کے مسائل [۱۶]تحصیلِ صدقات پر کمیشن کا حکم [۱۷]خاندانی منصوبہ بندی اور اسلام [۱۸]تعمیرِ مزارات احادیثِ نبویہ کی روشنی میں [۱۹]خسر، بہو کے رشتے کا احترام اسلام کی نگاہ میں [۲۰]اعضا کی پیوند کاری [۲۱]فلیٹوں کی خرید و فروخت کے جدید طریقے [۲۲]بیمہ وغیرہ میں ورثہ کی نام زدگی کی شرعی حیثیت [۲۳]فقدانِ زوج کی مختلف صورتوں کے احکام [۲۴]کان اور آنکھ میں دوا ڈالنا مفسد صوم ہے یا نہیں [۲۵]جدید ذرائع ابلاغ اور رویتِ ہلال [۲۶]طویل المیعاد قرض اور ان کے احکام [۲۷]طبیب کے لیے اسلام اور تقویٰ کی شرط [۲۸]نیٹ ورک مارکیٹنگ کا شرعی حکم [۲۹]فسخِ نکاح بوجہِ تعسرِ نفقہ [۳۰]فقہ حنفی میں حالاتِ زمانہ کی رعایت فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے [۳۱]مسلک اعلیٰ حضرت عصر حاضر میں مسلک اہلِ سنت کی مترادف اصطلاح [۳۲]جداگانہ احکام اور فقہی اختلافات کے حدود حقائق و شواہد کے اجالے میں [۳۳]مساجد کی آمدنی سے اے سی وغیرہ کے اخراجات کا انتظام [۳۴]تعدیۂ مرض شرعی نقطۂ نظر سے [۳۵]خلافتِ شرعی اور فضائلِ خلفاے راشدین [۳۶]جلوسِ عید میلاد النبی ﷺ سنتِ صحابہ کی یادگار [۳۷]برقی کتابوں کی خرید و فروخت شرعی نقطۂ نظر سے [۳۸]مسئلہ کفاءت عصر حاضر کے تناظر میں [۳۹]بینکوں کی ملازمت شریعت کی روشنی میں [۴۰]اجتہاد کیا ہے اور مجتہد کون؟ [۴۱]تہتر میں ایک کون؟ [۴۲]ترکِ تقلید اور غیر مقلدین کے اجتہادی مسائل [۴۳]ثبوتِ ہلال کی نو صورتیں [۴۴]۱۵؍ جلدوں میں "فتاویٰ نظامیہ" جو دراصل "فتاویٰ اشرفیہ مصباح العلوم" ہے [۴۵]صحیحین سے غیر مقلدین کا انحراف ایک تحقیقی جائزہ (نوٹ: یہ کتاب شعبۂ تخصص فی الحدیث جامعہ اشرفیہ میں داخلِ نصاب ہے) [۴۶]مجلس شرعی کے فیصلے [۴۷]انوارِ امامِ اعظم (ترتیب) [۴۸]صحیفہ مجلس شرعی اول [۴۹]صحیفہ مجلس شرعی دوم [۵۰]صحیفہ مجلس شرعی سوم (زیرِ ترتیب) [۵۱]صحیفہ مجلس شرعی چہارم (زیرِ ترتیب) گراں قدر علمی اور فقہی مقالات و مضامین کی تعداد ایک سو تیس سے زیادہ ہے۔

بیعت و خلافت: بیعت بدست اقدس مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا نوری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بریلی شریف)۔ خلافت از حضرت برہانِ ملت مولانا شاہ محمد برہان الحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (جبل پور)، از حضرت امینِ ملت سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی دام ظلہ العالی (مارہرہ شریف)

سفرِ حج و زیارت: (پہلا حج) ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء (دوسرا حج) ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء

عمرہ رمضان المبارک: ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۷ء

غیر ملکی تبلیغی اسفار: برطانیہ، اسکاٹ لینڈ، پاکستان، ماریشش۔

ایوارڈ: آپ کی دینی خدمات کے صلے میں آپ کو کئی ایوارڈ مل چکے ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

صدر الشریعہ ایوارڈ — از: دار العلوم حنفیہ ضیاء القرآن لکھنؤ

حافظی ایوارڈ — از: شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ اکبر میاں چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پھپھوند شریف

شبیہِ نعلِ پاک - حضور صاحبِ لولاک ﷺ — از: امینِ ملت حضرت سید محمد امین میاں قادری برکاتی، زیبِ سجادہ، خانقاہ عالیہ برکاتیہ، مارہرہ شریف۔

قائدِ اہلِ سنت ایوارڈ — از: علامہ ارشد القادری چیریٹیز انٹرنیشنل، جمشید پور

شمسِ مارہرہ ایوارڈ — از: جامعہ قادریہ حیات العلوم، شہزاد پور، اکبر پور

امام احمد رضا محدث بریلوی ایوارڈ — از: بینائی ایجوکیشنل ویلفیئر سوسائٹی، لکھنؤ

امام احمد رضا ایوارڈ — از: تنظیم حسان رسول، مبارک پور

قبلۂ عالم ایوارڈ — از: خانقاہ صمدیہ، پھپھوند شریف

مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل ان دونوں بزرگوں کے علم و اقبال اور دینی و فقہی سرگرمیوں میں اضافہ فرمائے۔ آمین ☆☆☆

فقہی تحقیقی

آخری قسط

تقدیرِ اوقات

مولانا شمس الہدیٰ مصباحی

۹۔ امام محقق مجدد اعظم بریلوی قدس سرہ نے بلغار کا عرض البلد شمالی ۴۹ درجے ۳۰ دقیقے تحریر فرمایا ہے کمافی درأ القبح کہا جاتا ہے کہ یہ عرض البلد غلط ہے۔ حقیقت کیا ہے؟

جواب: امام محقق بریلوی قدس سرہ نے مذکورہ عرض البلد اپنی طرف سے نہیں بلکہ زیج سمرقندی اور زیج الغ بیگی کے حوالے سے نقل فرمایا جو مشہور ترین زیجات سے ہیں۔ ہمارے بعض احباب کے لیے یہ مقام حیرت بن گیا اور یکلخت تغلیط بھی کر دی گئی اور " فتاوی رضویہ میں مسامحت، کا عنوان قائم کر دیا گیا (کمافی احسن التقویم ۳۸۷ص)۔ یہ عنوان کس بات کا غماز ہے۔ ہمارے اکابر خود فیصلہ فرمائیں۔

جب کہ ایسے موقع پر مناسب تو یہ تھا اور ضابطہ بھی یہی ہے کہ امام محقق کی غلطی بتانے کے بجائے تصحیح نقل لی جائے۔ پھر اسی احسن التقویم ۳۹۱ص میں 'المواعظ والاعتبار' کے حوالے سے مرقوم ہے کہ بلغار اقلیم سبع (سابع) میں ہے اور اس کا عرض البلد ساڑھے پچاس درجہ ہے اور ۳۸۹ص پر صحیح عرض البلد ۵۴ درجے ۵۹ دقیقے تحریر ہے اور ۳۹۲ص میں اس کا عرض البلد ۵۴ - N۵۸ لکھا ہے۔ شرح چغمینی ۹۸ص میں بلغار کا عرض البلد ۴۸ درجہ ۵۲ دقیقہ مذکور ہے۔ زیج بہادر خانیہ طبع ۱۸۵۵ء میں علامہ جون پوری نے لکھا ہے " کرات ارضی کہ اذکیا فرنگ ترتیب دادہ اند دراں نیز اختلاف مشہور است " یعنی فرنگی فضلا نے جو کرات ارضی مرتب کیا ہے اس میں بھی اختلاف مشہور ہے۔ پھر مرور ایام ،طوفان و حوادث روز گار سے پوری پوری آبادیاں کیا ایک جگہ سے بہت دور دوسرے مقامات پر منتقل ہو جانے کی خبریں نہیں ملتیں؟ ان سارے اسباب و علل کے باوجود کیا اکابر کی تجہیل و تغلیط ہی میں مسئلہ کا حل مضمر ہے۔ جب کہ مقصود یعنی وقت عشا کا مفقود ہونا۔ بہر صورت موجود نیز تمام ماہرین فن ہیئت و توقیت اور فقہاے عظام تصریح فرماتے ہیں کہ جہاں کا عرض البلد ساڑھے اڑتالیس درجہ یا زائد ہو وہاں شفق ابیض اور صبح صادق گرمیوں میں متّصل ہو جاتے ہیں اور برطانیہ کا عرض البلد ۵۰ ڈگری سے تقریبًا ۶۰ ڈگری تک ہے اور شہر بلغار کا عرض بہر حال اس کے درمیان ہے۔ لہذا وقت عشا مفقود ہونے میں برطانیہ اور بلغار یکساں ہیں۔ گو کہ تاریخ اور ایام کا تفاوت ہے مگر یہ مطلوب میں کچھ حارج نہیں کیوں کہ ۴۰ دن کا ذکر بطور مثال ہے۔ تبھی تو ایک جگہ فرمایا " ایک مہینہ تین دن بلکہ زائد ہوئی۔ (رضویہ ۱۰/۶۲۴)۔

یوں ہی یہ لکھنا کہ " ھدایۃ الجنان "مصنفہ ۱۳۲۳ھ میں امام احمد رضا نے صبح کاذب کے لیے برسوں کا مشاہدہ لکھا اور تین سال بعد " درأ القبح' مصنفہ ۱۳۲۶ھ میں اپنے برسوں کے مشاہدات سے رجوع فرما لیا ہے اور لکھا صبح کاذب کے لیے اہتمام کا موقع نہ ملا۔ کمافی احسن التقویم ص ۳۹۴/ ۳۹۳؛ کہاں کی اینٹ کہاں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا' والی بات ہے جناب والا! رجوع کسی سابق کے کلام سے ہوتا ہے۔ جبکہ امام احمد رضا قدس سرہ نے جد الممتار ۲/۳۹ طبع پاک، میں درأ القبح مصنفہ ۱۳۲۶ھ والی بات ذکر فرمائی ہے ۔ " امّا الصبح الکاذب فقبل ذالك بکثیر و لم یتفق لی تجر بة بد ئه اھ اور اس کی تعلیق کا تذکرہ ' ھدایۃ الجنان' مصنفہ ۱۳۲۳ھ میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں " فقیر نے اپنی تعلیقات حاشیۂ شامی میں بیان کیا ہے " (رضویہ ۱۰/۵۷۷)۔ اس سے ثابت ہوا کہ جد الممتار ھدایۃ الجنان سے پہلے کی ہے۔ لہذا رجوع کا کوئی ثبوت نہیں۔ ہاں خاص صبح کاذب کے لیے مشاہدہ کے اہتمام کا موقع نہ مل سکا کیوں کہ اس سے احکام شرع کا کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ اور آپ کے بقول امام بریلوی قدس سرہ کی جانب دروغ گوئی کی نسبت کرنی ہوئی کہ پہلے مشاہدہ کا اثبات فرمایا پھر اسی کی نفی کر دی۔

اسی طرح حضرت خواجہ علم و فن کی طرف یہ انتساب کہ وہ ہمارے موقف سے متفق ہیں اور انہوں نے ہمارے طریقہ کار کو درست قرار دیا ہے ۔ کمافی احسن التقویم ۳۹۸ص ،، مکمل طور پر خلاف واقعہ ہے۔

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
shkhan_786@yahoo.com

حضرت خواجہ علم وفن کی درج ذیل تحریر جو خود ان کے دست کرم کی لکھی ہوئی ہے، اس نسبت غلط کے ابطال کے لیے کافی وشافی ہے۔

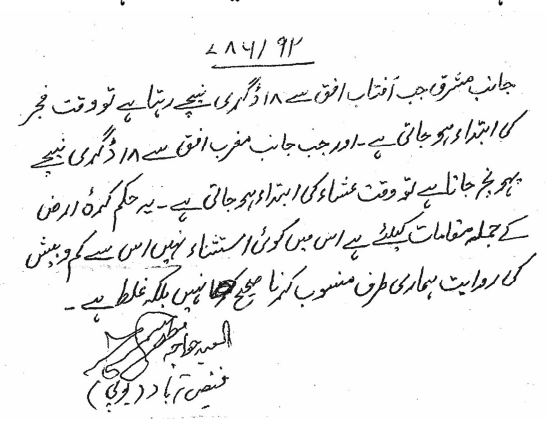

۱۰۔ آپ کہتے ہیں کہ گرمیوں میں شفق غائب نہیں ہوپاتی کہ آدھی رات میں فجر صادق نمودار ہوجاتی ہے۔ جب کہ طلوع فجر کے لیے سبق ظلام ضروری ہے۔ فان الفجر یستدعی سبق الظلام ولاظلام مع بقاء الشفق کما فی ردالمحتار وغیرہ؟

جواب: امام احمد رضا قدس سرہ نے اس ایراد کا خوب تشفی بخش جواب عنایت فرمایا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں،

" اقول : لا ظلام مع بقاء الشفق فی المغرب و الفجر یستدعی سبق الظلام فی المشرق فسقط البحث عن أصله " (جد المتار ۲ / ٤٦)

یعنی شفق جانب مغرب رہتی ہے اور اس وقت مشرق میں ظلمت رہتی ہے اور فجر جانب مشرق ہی سے طلوع ہوتی ہے۔ لہٰذا کوئی اشکال نہ رہ گیا کیوں کہ جہاں سے فجر طلوع ہوتی ہے وہاں ظلمت موجود ہے۔

۱۱۔ عرف و تعامل بھی اسباب ستّہ سے ہے۔ لہٰذا اس کی بنا پر مذہب امام چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں اور یہاں یو۔کے وغیرہ میں تین بجے یا کم وبیش سحری ختم کرنے کا تعامل ہے۔

جواب: طلوع صبح صادق کے بعد سحری کرنے کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں اگر کچھ بھی کھایا یا پیا جائے گا روزہ نہ ہوگا۔ کیوں کہ اس سے ترک نص قطعی لازم آتا ہے۔ قال تعالی: کلوا و اشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر " (سورۃ البقرۃ ۱۸۷) پس جس تعامل سے ترک نص لازم آئے قطعاً معتبر نہیں۔ خاتم الفقہا علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

" اذا خالف العرف الدلیل الشرعی فان خالفه من کل وجه بان لزم منه ترك النص فلا شك فی ردّه کتعارف الناس کثیراً من المحرمات من الربا و شرب الخمر و لبس الحریر والذهب و غیر ذالك مما ورد تحریمه نصا " (نشر العرف ۱۱٦ ص)

۱۲۔ ہماری شریعت سمحہ سہلہ غرا میں شدت وسختی سے ممانعت ہے اور یہ آسانی ویسر کی متقاضی ہے۔ پھر اتنی صعوبت کیوں، کہ نصف لیل ہی تک سحری ختم کردیا گیا۔ ارشاد خداوندی ہے

"یرید الله بکم الیسر و لا یرید بکم العسر "
(البقرۃ ۱۸۵).

فرمان رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔

" یسروا و لا تعسروا بشروا و لا تنفروا
(صحیح البخاری ۲/ ۹۰٤)

جواب: اولاً ہوائے نفس جسے یسر کہے وہ شرعی یسر نہیں۔

ثانیاً آیت قرآنیہ کا تعلق مریض اور مسافر سے ہے کہ اسے مرض و سفر کے سبب روزہ توڑنے کی رخصت ہے۔ وہ بھی جو مرض باعث مشقت ہو اور ہر سفر نہیں بلکہ شرعی سفر مراد ہے۔

ثالثاً اس سے مراد وہ آسانی ہرگز نہیں جو خلاف حکم شریعت ہو جیسا کہ ایک صاحب نے استفتا کیا کہ ہماری شریعت آسان ہے۔ تو مجھے سویرے نیند آجاتی ہے۔ کیا عشا مغرب کے ساتھ پڑھ لوں، تراویح اتنی لمبی نماز ہے تو کیا اسے ترک کردوں، ٹھنڈک میں کیا وضو ترک کردوں وغیرہ وغیرہ

رابعاً اس قسم کے حیل تلاش کرنے والے ذرا یسر وآسانی کی شرعی حد متعیّن کرلیں۔ تاکہ کسی پیچیدگی کا سوال نہ ہو۔ ورنہ " عسی ان تکرهوا شیئاً و هو خیر لکم " پیش نظر رہنا چاہیئے۔ اور احکام شریعت میں ایک گونہ مشقت نفس ہوتی ہے۔ اسی لیے مخالفت نفس کو جہاد اکبر فرمایا گیا ہے۔

۱۳۔ جب پوری دنیا میں عشا اور صبح صادق ۱۸ درجہ پر ہے۔ تو اوقات میں فرق کیوں رہتا ہے۔ مثلاً انڈیا میں صبح صادق اور طلوع شمس کے درمیان ایک گھنٹہ ۴۰ منٹ کا وقت گرمیوں میں ہوتا ہے اور انھیں ایام میں برطانیہ کے اندر ۳ گھنٹہ ٹائم ملتا ہے؟

جواب: بلاشبہہ پوری دنیا میں آفتاب کے اٹھارہ درجہ زیر افق غربی وشرقی ہوجانے پر آغاز وقت عشا وفجر ہوتا ہے۔ رہا اختلاف بلاد کی صورت

میں اوقات مغرب وفجر میں تفاوت کہ ہند و سندھ میں کچھ اور برطانیہ و یورپ میں اس کی مقدار کچھ اور۔۔ تو اس کا اصل سبب تفاوت عرض البلاد ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں " تبدل اوقات میں بڑا حصہ تفاوت عرض کا ہے۔" (فتاوی رضویہ ۵۶۹/۱۰)۔

پس یو۔کے میں مثلاً سورج اٹھارہ ڈگری سے کم ہی زیرافق ہوتے ہوئے تاخیر سے طلوع ہوتا ہے یا نیچے پہونچتا ہے اور پاک وہند میں ایسا نہیں۔ لہذا اوقت کا تفاوت ناگزیر ہے۔

۱۴۔ طلوع فجر صادق اور تبین فجر کے درمیان کتنے وقت کا فاصلہ ہوتا ہے کہ مابین فقہا اختلاف کا سبب بن گیا؟

جواب: بدایۃ وقت نماز فجر اور اختتام وقت سحری میں احناف کا اختلاف کہ طلوع فجر صادق پر ہے یا تبین فجر پر ہے۔ پہلے کو احوط اور دوسرے قول کو اوسع وارفق فرمایا گیا۔ جب کہ طلوع فجر کے بعد آناً فاناً جنوباً شمالاً انتشار فجر شروع ہوجاتا ہے اور ایک خفیف دیر میں پھیل جاتی ہے۔ جیسا کہ امام محقق احمد رضا قدس سرہ نے فتاوی رضویہ ۵۷۲/۱۰ میں اور امام قونوی حنفی م۱۱۹۵ھ نے حاشیہ تفسیر البیضاوی میں اس پر نص فرمایا۔

اب رہا معاملہ یہ کہ دونوں کے مابین وقت کی مقدار کتنی ہے۔ تو یہ ماہر فن ہی بتا سکتا ہے اور ماہرین فقہا نے ۱۸ ڈگری پر ختم وقت سحری بتا دی ہے۔ لہٰذا اب اپنی طرف سے تبین اور اول طلوع میں چند درجات کی تفریق کرنا خلاف تحقیق ہے۔

جیسا کہ امام مجدد احمد رضا قدس سرہ نے جد الممتار ۲۴۷/۲ طبع عرب امارات میں طلوع کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ا۔ حقیقی جسے خدا تعالی ہی جانتا ہے یا جسکو وہ اس کا علم دے دے اور عرفی جو عامۃ الانظار کے لیے متبین ہوتا ہے۔ ہم اسی کے مکلف ہیں۔ اسی لیے تو اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا "کلوا و اشربوا حتی یتبین لکم" البقرۃ ۱۸۷ لہذا قول اوّل کا مطلب اوّل تبین کہ فجر کا یقین ہوجائے اور رات ہونے کا شک ختم ہو جائے اور قول دوم سے مراد تبین وظہور ہے۔ جو خفیف سی دیر میں ہوتا ہے۔ " فمراد الثانی هو تبينه و ظهوره و لا يكون الا بعد مضی شئی منه و مراد الأول أوّل تبينه- أول ما يبد و للناظر و يقع اليقين و يذهب الشك لأن وجود الليل كان معلوماً فما لم يعلم وجود الفجر لا يذهب الليل بالشك فاتفق القولان و بالله التوفيق"

۱۵۔ جب یو۔کے وغیرہ میں مذہب حنفی پر وقت عشا آنا شروع ہوتا ہے۔ مثلاً شہر لیڈز کے اطراف و جوانب میں جولائی کے اخیر اور اگست کے شروع میں۔ تو ابتدا وقت فجر میں چند دنوں تک روز لمبا لمبا فرق کیوں ہوتا ہے؟

جواب: یہ اتنا لمبا تفاوت جیسے ۲۰ منٹ، ۳۰ منٹ یا زائد۔ ان دنوں میں انحطاط شمس اور میل شمسی کے سبب ہے۔ جیسا کہ ماہر فن پر اظہر ہے۔ مثال کے طور پر یو۔کے کے شہر 'ہیلی فاکس' کا عرض البلد ۴۳-۵۳ ہے۔ اور ۳۱ جولائی کا میل شمسی ۲۵-۱۸ ہے۔ اب قاعدہ یہ ہے کہ عرض البلد اور میل شمسی دونوں متحد الجہۃ ہوں اور دونوں کے مجموعہ کو ۹۰ سے تفریق کریں تو غایت انحطاط شمس نکل آئے گا۔ جیسے ۴۳-۵۳ + ۲۵ ۱۸ = ۰۸-۷۲ - ۰۰-۹۰ = ۵۲-۱۷ یہ ۳۱ جولائی کا انحطاط شمس ہوا کہ ۱۸ درجہ سورج کے زیرافق جانیں میں ۸ دقیقہ باقی رہتا ہے۔ اس لیے سحری کا آخری وقت نصف اللیل یعنی ۱۳ - ۱ ہوگا۔ اس طور پر کہ اگلے طلوع آفتاب ۲۱-۵ پچھلے غروب ۰۵ - ۹ دونوں کے درمیان کا وقت ۱۶ -۸ گھنٹے ہوا۔ اس کا نصف ۸-۴ گھنٹہ ہوا۔ جب اس کو جوڑدیں ۰۵-۹ + ۰۸-۴ = ۱۳-۱۳ ہوا یعنی ایک بج کر تیرہ منٹ ہوا۔ اور پہلی اگست کو میل شمسی ۱۰-۱۸ ہے۔ اب اسے عرض البلد کے ساتھ جمع کریں ۱۰-۱۸ + ۴۳-۵۳ = ۵۳-۷۱ - ۰۰-۹۰ = ۰۷-۱۸ دیکھیے۔ پہلی اگست کو سورج اٹھارہ ڈگری سات دقیقہ زیرافق پہونچ گیا اور شفق ابیض غائب ہوگئی۔ اب نصف اللیل کا فارمولہ لاگو نہیں ہوگا۔ بلکہ خط معدل النہار سے افق شرقی کی جانب جب سورج اٹھارہ ڈگری زیرافق جائے گا۔ اس وقت صبح صادق طلوع ہوگی اور وقت سحری ختم ہوگا یعنی ۴۵-۱ بجے جیسا کہ آبزرویٹری ویب سائٹ سے خوب آشکارا ہے۔

ضروری الحفظ اصطلاح :

عرض البلد: خط استوا سے کسی شہر کی جانب شمال یا جنوب کی دوری کو عرض البلد شمالی یا عرض البلد جنوبی کہتے ہیں۔

تمام عرض البلد: عرض البلد کو ۹۰ درجہ سے مائنس (تفریق) کرنے پر جو باقی رہتا ہے اسے تمام عرض البلد کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہیلی فیکس کا عرض البلد ۴۳-۵۳ - ۹۰ = ۱۷-۳۶ یہ ہیلی فیکس کا تمام عرض البلد ہوا۔

قاعدہ ۱: اگر عرض البلد اور میل شمسی دونوں متحد الجہت ہوں یعنی دونوں شمالی یا دونوں جنوبی اور تمام عرض البلد کی مقدار، میل شمسی + ۱۸ کے مجموعہ کے برابر یا کم ہو......... (باقی ص:۱۶ پر)

آخری قسط

نماز کی حالت میں سینہ پر ہاتھ رکھنے والی روایات
تحقیق وتنقید کی روشنی میں

ازہار احمد امجدی مصباحی

سند پر کلام:اولا: ہیثم بن حمید، متکلّم فیہ ہیں، ابوداؤد نے ان کی توثیق کی ہے، اور علی بن مسہر نے فرمایا: ضعیف، قدری ہیں۔

(میزان الاعتدال للذہبی، رقم: ۹۲۹۸)

ثانیا: سلیمان بن موسی، امام بخاری نے فرمایا: ان کے پاس مناکیر ہیں، اور ابوحاتم نے فرمایا: محلہ الصدق، اور ان کی حدیث میں بعض اضطراب ہے، اور امام نسائی نے فرمایا: قوی نہیں ہیں، اور ابن عدی نے فرمایا: وہ میرے نزدیک ثبت صدوق ہیں۔

(میزان الاعتدال، رقم: ۳۵۱۸)

ثالثا: یہ حدیث مرسل ہے، کیوں کہ طاؤس تابعی ہیں، آپ نے جن سے یہ حدیث سنی ہے ان کا ذکر نہیں کیا۔

حکم: ضعیف۔

اس مسئلہ میں ابن قیم جوزیہ کی رائے ملاحظہ فرمائیں، آپ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے نماز کی حالت میں ناف کے اوپر اور ناف کے نیچے رکھنے کی روایت ملتی ہے، ابوطالب فرماتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا، نماز کی حالت میں نمازی ہاتھ کہاں رکھے گا؟ آپ نے فرمایا: ناف پر یا ناف سے نیچے رکھے گا، بہر حال آپ کے نزدیک اس مسئلہ میں وسعت ہے، چاہے ناف سے اوپر یا ناف پر یا ناف سے نیچے رکھے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: نماز کی حالت میں ہاتھ کو ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے، اس طرح کی وضاحت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے، مگر یہ روایت صحیح نہیں، ہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ضرور صحیح ہے، اور مزنی کی روایت میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہاتھ ناف کے تھوڑا نیچے رکھا جائے، اسے سینہ کے اوپر رکھنا مکروہ ہے، کیوں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تکفیر یعنی سینے پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا ہے، اور مؤمل بن اسماعیل نے اگرچہ علی صدرہ کا ذکر کیا ہے، مگر عبد اللہ بن الولید نے اس حدیث کو سفیان ثوری سے روایت کیا اور علی صدرہ کا ذکر نہیں کیا، اسی طرح سے شعبہ اور عبد الواحد نے سفیان ثوری کی مخالفت کی اور علی صدرہ کا ذکر نہیں کیا۔

خلاصۂ بحث:

(الف) وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ پہلی حدیث ضعیف ہے

(ب) اور ہلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ دوسری حدیث بھی ضعیف ہے۔

(ت) اور طاؤس رحمہ اللہ کی روایت مرسل ہے، اور مرسل غیر مقلدین کے نزدیک قابل احتجاج نہیں۔

(ث) غیر مقلدین کے طریقہ کار کے پیش نظر سینے پر ہاتھ رکھنے والی ساری احادیث ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل احتجاج نہیں، لہٰذا ان کے لیے ان روایات ضعیفہ پر عمل روا نہیں، مگر وہ عمل کرتے ہیں!!

(ج) اگر غیر مقلدین پر رحم کھایا جائے - جو امام ترمذی رحمہ اللہ کو متساہل کہتے نہیں تھکتے - تو امام ترمذی رحمہ اللہ کے طریقہ کار کی پیروی کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ ان غیر مقلدین کی قوی تر دلیل وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لیے ہلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور طاؤس کی روایت شاہد بن سکتی ہے، اس لیے وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حسن لغیرہ تک پہونچ جائے گی، مگر میرے نزدیک پھر بھی اس باب کی حدیث پر عمل کرنا روا نہیں، اس کے چند وجوہات ہیں:

(۱) پہلی اور دوسری حدیث کی سند میں سفیان ثوری ہیں، ان کا عمل خود اس روایت کے خلاف ہے، اور ایسی صورت میں عمل رویت پر مقدم ہوگا، امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اس قائدہ کے پیش نظر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور اکثر حفاظ نے بہت ساری احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے)۔

(۲) دوسری حدیث کی تخریج امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں کی ہے مگر ان کا عمل خود اس حدیث کے برخلاف ہے جیسا کہ ماقبل میں ابن قیم جوزیہ کے بیان سے واضح ہے۔

(۳) بلکہ ائمہ ثلاثہ اور ان کے تمام متبعین کا عمل اس حدیث کے

جامعہ ازہر، مصر
amjadiazhari@yahoo.com

برخلاف ہے، اور شوافع اگرچہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں، مگر وہ اس حدیث کے ظاہری معنی پر عمل نہیں کرتے، بلکہ تاویل یا دوسری روایت کے پیش نظر سینے کے نیچے ہی ہاتھ باندھنا مستحب قرار دیتے ہیں، بہر کیف بارہویں صدی میں پیدا ہونے والی غیر مقلدیت سے پہلے پوری دنیا انہیں ائمہ کرام کی اتباع کرتی تھی، اور آج بھی اکثریت انہیں قرون فاضلہ اور سلف صالح علما کی اتباع کرتی ہے، لہٰذا پوری امت محمدیہ کے خلاف جانا جائز و درست نہیں، امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(اگر امت مسلمہ کا کسی حدیث کے ترک عمل پر اجماع ہو جائے تو اس کا چھوڑ دینا اور اس پر عمل نہ کرنا واجب ہے)

(الاشفاق علی احکام الطلاق للکوثری، ص٤٦)

یہاں زیر بحث مسئلہ کی روایات سے استدلال نہ کرنے پر اجماع تو نہیں، لیکن اگر شوافع کا ان روایات کے ظاہری معنی پر عمل نہ کرنے کو لے لیا جائے تو یہاں پر ان روایات کے موافق عمل نہ کرنے پر صورت اجماع ضرور ہے، کیوں کہ شوافع خود وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے ظاہری معنی پر عمل نہیں کرتے، بلکہ دوسری حدیث -جس میں وارد ہے کہ سینے کے نیچے ہاتھ رکھا جائے- اسے اس روایت کے لیے مفسر مانتے ہیں، اور سینے کے نیچے ہاتھ رکھنے کو مستحب جانتے مانتے ہیں، دیکھیں: (اسنی المطالب فی شرح روض الطالب لزکریا انصاری شافعی، ج ١ ص ١٤٥) بہر حال بارہویں صدی ہجری میں پیدا ہونے والی غیر مقلدیت سے پہلے پوری امت مسلمہ کم از کم ان روایات کے ظاہری معنی کے موافق عمل نہ کرنے پر متفق تھی، اس لیے آج بھی ان روایات کے ظاہری معنی پر عمل کرنا جائز و درست نہیں ہوگا، واللہ اعلم۔

میں نے اس بحث کو لکھنے میں دیگر کتابوں کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر عوامہ دام ظلہ کا موجود نصب الرایہ پر حاشیہ اور ماہر یاسین ہیتی کے رسالہ 'اثر علل الحدیث فی اختلاف الفقہا' سے مدد لی ہے،

و الحمد لله بنعمته تتم الصالحات و الصلوة والسلام على سيد المرسلين و على آله صحبه ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين.

مراجع و مصادر

- اسنى المطالب فى شرح روض الطالب لزكريا الانصارى (ت ٩٢٦ھ) الناشر: دار الكتاب الاسلامى، عدد الأجزاء: ٤.
- الإشفاق على احكام الطلاق للكوثرى، مطبع: المكتبة الازهريه للتراث.
- تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلانى (ت ٨٥٢ھ) الناشر: مطبعة دائرة المعارف الاسلامية، الهند، الطبعة: الأولى، ١٣٢٦ھ، عدد الأجزاء: ١٢.
- تقريب التهذيب لابن حجر العسقلانى (ت٨٥٢ھ) تحقيق: محمد عوامه، الناشر: دار الرشيد، سوريا، الطبعة: الأولى، ١٤٠٦ھ/١٩٨٦م، عدد الأجزاء: ١.
- السنن الكبرى للبيهقى (ت٤٥٨ھ) تحقيق: محمد عبد القادر عطا، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة: الثالثة، ١٤٢٤ھ/٢٠٠٣م.
- سنن ابن ماجه (ت ٢٧٣ھ) تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقى، الناشر: دار إحياء الكتب العربية، فيصل عيسى البابى الحلبى، عدد الأجزاء: ٢.
- سنن ابى داؤد (٢٧٥ھ) تحقيق: محمد محى الدين، الناشر: المكتبة العصرية، صيدا، بيروت، عدد الأجزاء: ٤.
- سنن الترمذى (ت ٢٧٩ھ) تحقيق: احمد محمد شاكر وغيره، الناشر: مصطفى البابى الحلبى، مصر، الطبعة: الثانية: ١٣٩٥ھ/١٩٧٥م، عدد الأجزاء: ٥.
- سنن الدارقطنى (ت ٣٨٥ھ) تحقيق: شعيب الأرنؤط وغيره، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة: الأولى: ١٤٢٤ھ/٢٠٠٤م، عدد الأجزاء: ٥.
- سنن الدارمى (ت ٢٥٥ھ) تحقيق: حسين سليم الدارانى، الناشر: دار المغنى، السعودية، الطبعة: الأولى: ١٤١٢ھ/٢٠٠٠م، عدد الأجزاء: ٤.
- سنن النسائى (ت ٣٠٣) تحقيق: عبد الفتاح ابو غده، الناشر: مكتب المطبوعات، حلب، الطبعة: الثانية، ١٤٠٦/١٩٨٦م، عدد الأجزاء: ٨.
- شرح علل الترمذى لابن رجب الحنبلى (ت ٧٩٥ھ) تحقيق: صبحى السامرائى، مطبع: عالم الكتب، الطبعة: الثالثة، ١٤١٦ھ/١٩٩٦م.
- صحيح ابن خزيمه، (ت٣١١ھ) تحقيق: محمد مصطفى اعظمى، الناشر: المكتب الاسلامى، بيروت، عدد الأجزاء: ٤.
- فتح البارى لابن حجر (ت ٨٥٢) الناشر: دار المعرفة،

بیروت، ۱۳۷۹ھ، ترقیم و تبویب: محمد فؤاد عبد الباقی، تعلیق: عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز، عددالأجزاء: ۱۳

- فتح المغیث للسخاوی (ت۹۰۲ھ) تحقیق: مجدی فتحی، الناشر: المکتبۃ التوفیقیۃ.
- قرۃ العینین برفع الیدین فی الصلاۃ للبخاری (ت ۲۵٦ھ) تحقیق: احمدالشریف، الناشر: دار الارقم، الکویت، الطبعۃ: الأولی: ١٤٠٤ھ/١٩٨٣م، عددالأجزاء: ١.
- الکاشف للذھبی (ت ٧٤٨ھ) تحقیق: محمد عوامہ، الناشر: دار القبلۃ للثقافۃ الاسلامیۃ، جدہ، الطبعۃ: الأولی، ١٤١٣ھ/ ١٩٩٢م.
- مستخرج ابی عوانہ (ت ٣١٦ھ) تحقیق: ایمن بن عارف الدمشقی، دار المعرفۃ، بیروت، الطبعۃ: الأولی: ١٤١٩ھ/١٩٩٨م، عددالأجزاء: ۵.
- مسند أحمد بن حنبل (ت٢٤١ھ) تحقیق: شعیب الأرنؤط و غیرہ، الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الأولی: ١٤٢١ھ/٢٠٠١م
- مسند الحمیدی (ت ٢١٩ھ) تحقیق: حسن سلیم الدارانی، الناشر: دار السقا، دمشق، سوریا، الطبعۃ: الأولی: ١٩٩٦م، عددالأجزاء: ٢.
- مسند الطیالسی، الناشر: دار المعرفۃ، بیروت، عدد الأجزاء: ١.
- مصنف عبد الرزاق (ت ٢١١ھ) تحقیق: حبیب الرحمن اعظمی، المکتب الاسلامی، بیروت، الطبعۃ: الثانیۃ، ١٤٠٣ھ، عددالأجزاء: ١١.
- مصنف ابن أبی شیبۃ، (ت ٢٣٥ھ) تحقیق: کمال یوسف الحوت، الناشر: مکتبۃ الرشاد-الریاض، الطبعۃ الأولی: ١٤٠٩ھ، عددالأجزاء ۷.
- المنتقی لابن الجارود (ت ٣٠٧ھ) تحقیق: عبد اللہ عمر البارودی، الناشر: مؤسسۃ الکتاب الثقافیۃ، بیروت، الطبعۃ: الأولی، ١٤٠٨ھ/١٩٨٨م، عددالأجزاء: ١.
- میزان الاعتدال للذھبی (ت ٧٤٨ھ) تحقیق: علی محمد البجاوی، الناشر: دار المعرفۃ، بیروت، الطبعۃ: الأولی، ١٣٨٢ھ/١٩٦٣م، عددالأجزاء: ٤.
- نیل الأوطار للشوکانی (ت ٢١٥٠ھ) تحقیق: عصام الدین، الناشر: دار الحدیث، مصر، الطبعۃ: الأولی، ١٤١٣ھ/ ١٩٩٣م، عددالأجزاء: ٨.****

(ص:۱۳ کا بقیہ)...تو وہاں شفق ابیض غائب نہیں ہوگی۔ (شفق ابیض غربی کا صبح صادق سے اتصال ہوگا)

جیسے ۱۳ مئی کا میل شمسی ۱۴-۱۸ ہے۔ اس میں ۱۸ جمع کریں۔ ۱۴-۱۸ + ۱۸ = ۱۴-۳۶ ہوا۔ جو ہیلی فیکس کے تمام عرض ۱۷-۳۶ سے کم ہے۔ اس لیے ۱۳ مئی سے شفق ابیض غائب نہیں ہوگی۔ اور اس کا صبح صادق سے اتصال ہوگا۔

قاعدہ ۲: اگر تمام عرض البلد کی مقدار میل شمسی + ۱۸ کے مجموعہ سے زیادہ ہو تو وہاں شفق ابیض غائب ہوگی اور وقت عشائے حنفی آئے گا۔ جیسے ہیلی فیکس کا تمام عرض البلد ۱۷-۳۶ ہے اور یکم اگست کا میل شمسی ۱۰-۱۸ + ۱۸ = ۱۰-۳۶ لہٰذا اس مجموعہ سے تمام عرض البلد سات دقیقہ زیادہ ہے۔ پس وہاں یکم اگست کو شفق ابیض غائب ہوگی اور احناف کا بھی وقت عشا آئے گا۔ (ملخصاً تحقیقات امام علم وفن)

۱۶۔ فتاوی نعیمیہ جلد سوم ۳۷۹ص میں ہے کہ ماہ جون میں رات کے دو بجے سے دو بیس، دو پچیس تک اختتام سحر و طلوع فجر ہوتا رہا۔ لہٰذا ہمارا ٹائم ٹیبل اسکے مطابق ہے۔ اور یہ مشاہدہ فلکیہ کے حساب سے ہے۔

جواب: فتاوی نعیمیہ جلد چہارم صفحہ ۳۰۴ میں صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خاں نعیمی رحمہ اللہ تعالی رقم طراز ہیں:

" اور یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ رات کو کبھی بارہ بجے کبھی ایک بجے کبھی ڈیڑھ بجے سرخی غائب ہو جاتی ہے۔ سرخی کو شفق تسلیم کرنے کی صورت میں گویا بارہ بجے ایک بجے گرمیوں کے ان طویل دنوں میں عشا شروع۔ پھر آدھا گھنٹہ بعد فجر صادق۔ گرمی کے موسم میں برطانیہ میں ہم نے خود بیس گھنٹے کا روزہ رکھا ہے۔ (ایضاص ۳۰۵)

اس سے صاف آشکارا ہے کہ ختم وقت سحری کبھی ۱۲:۳۰ کبھی ۱:۳۰ کبھی ۲ بجے ہوتا ہے اور جو حضرات ۳ بجے تک سحری کرتے، کرواتے ہیں ان کا روزہ ۲۰ گھنٹے کا کسی طور پر نہ ہو سکے گا۔ نیز واضح کریں کہ مذکورہ فتوی کے جزء عشاء پر آپ عمل کیوں نہیں کرتے؟

پھر یہ فتوی ۱۹۹۵ء کا ہے لہٰذا اس کے مقابل ۱۹۸۴ء جلد سوم والا فتوی بطور دلیل پیش کرنا خلاف اصول ہے۔ ورنہ تعارض کو بھی دفع کرنا ہوگا۔ لہٰذا بقول مفتی صاحب نصف اللیل کے مطابق ہی یہ عبارت بے غبار ہوگی کیوں کہ ۱۲:۳۰ اور ۱:۳۰ بھی سحری کا وقت بنتا ہے۔ پس صرف ۲ بجے تک خاص کرنا بھی اس فتوی سے ہرگز ثابت نہ ہوا۔ ☆

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

حج کے چند ضروری مسائل

(۱) ہندہ حج و زیارتِ حرمین شریفین کے لیے جا رہی ہے اور وہ استحاضہ (بیماری کی وجہ سے آگے کے مقام سے خون جاری رہنا) کی مریضہ ہے کافی علاج کے بعد بھی مرض میں کوئی کمی نہیں ہے۔ ایسی حالت میں وہ طواف و سعی کرے گی یا نہیں؟

(۲) عورتیں حج و عمرہ کے بعد کیا اپنے بال خود کاٹ سکتی ہیں؟

(۳) کنکری مارنے اور قربانی سے فارغ ہونے کے بعد کیا ایک مُحرِم (احرام والا) اپنا یا اپنے ساتھی کا سر مونڈ سکتا ہے؟

(۴) حج ۹ھ ہجری میں فرض ہوا، حضور ﷺ نے ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کیا اور ۱۱ھ میں آپ کا وصال ہوا تو آپ کا قیام مزدلفہ سنتِ مؤکدہ ہوگا یا غیر مؤکدہ؟

(۵) اگر کوئی حاجی طلوعِ آفتاب کے بعد مزدلفہ آیا تو اس کے لیے کیا حکم ہے، اس پر دَم واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب

(۱) ہندہ طوافِ کعبہ بھی کرے اور سعی صفا و مروہ بھی۔ استحاضہ بیماری کے خون کو کہتے ہیں، جیسے نکسیر یا بواسیر، یا زخم وغیرہ کا خون۔ اس کا حال حیض و نفاس سے جدا ہے۔ لہٰذا جو حکم نکسیر وغیرہ کے خون کا ہے وہی حکم استحاضہ کے خون کا بھی ہے۔ جب ہندہ کا خون مسلسل جاری رہتا ہے اور کافی علاج کے بعد بھی اس میں کوئی کمی نہیں آئی تو وہ معذور ہے اور اسے یہ حکم ہے کہ ہر وقتِ نماز میں تازہ وضو کر کے نماز پڑھے اور جب تک نماز کا وقت باقی ہے تلاوت، طواف وغیرہ تمام عبادات کر سکتی ہے۔ لہٰذا ہندہ حج کو جائے اور ہر وقتِ نماز میں وضو کر کے نماز پڑھے اور جب طواف کرنا چاہے تو وقتِ نماز میں ہی طواف کر لے۔ یہ حکم طوافِ نفل و طوافِ فرض دونوں کا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وقتِ نماز میں خون نکلنے سے وہ بے وضو نہیں ہوتی اور اس خون سے ناپاک تو کبھی نہیں ہوتی۔ ہاں نماز کا وقت گزرتے ہی اس کا وضو ٹوٹ جائے گا اس لیے وہ ہر نماز کے وقت میں تازہ وضو کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) کاٹ سکتی ہے، عمرہ کے بعد جب عمرہ سے باہر ہونے کا وقت آجائے اور حج کے بعد جب حج سے باہر ہونے کا وقت آجائے تو عورت اپنے بال خود بھی کاٹ سکتی ہے اور دوسری عورت بھی اس کے بال کاٹ سکتی ہے، یہ جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) مونڈ سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) مزدلفہ میں رات گزارنا سنتِ مؤکدہ ہے اور اس کا ترک اساءت۔ بدائع الصنائع میں ہے:

والسنة ان يبيت ليلة النحر بمزدلفة والبيتوتة ليست بواجبة، انما الواجب هو الوقوف. اھ (۲/۲۰۶، کتاب الحج)

نیز اسی میں ہے: و يبيت ليلة المزدلفة بمزدلفة، لان رسول الله ﷺ بات بها، فان مر بها مارًا بعد طلوع الفجر من غير ان يبيت بها فلا شئ عليه و يكون مسيئًا و انما لا يلزمه شئ لانه اتى بالركن وهو كينونة بمزدلفة بعد طلوع الفجر لكنه يكون مسيئًا لتركه السنة وهو البيتوتة بها. اھ

(بدائع، ص: ۲۳٤، ج: ۲، کتاب الحج)

حضور ﷺ نے تمام اہلِ عرفات کو اپنے خطبے میں خطاب فرما کر مزدلفہ آنے کی تاکید فرمائی، نیز ایک مستقل حکم دیا: خذوا عنی مناسککم۔ مسلم شریف میں ہے: "لِتَاخذوا مَنَاسِكَكُمْ" شرح مسلم میں ہے: "معناهُ: خذوا مناسِكَكُمْ" پھر بعد میں خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل فرمایا، اس لیے یہ سنتِ مؤکدہ ہوئی۔

(۵) اگر بلا عذر شرعی ایسا کیا تو وقوف مزدلفہ جو واجب ہے اسے ترک کر دیا۔ لہٰذا اس پر دَم واجب ہے ورنہ عفو ہے۔

كذا في البدائع ص ۲۰۶/۲ والله تعالىٰ اعلم

امامت کے لیے تنخواہ کی شرط لگانے کا حکم

زید ایک عالم دین ہے اور انھوں نے مسجد میں نماز پڑھانے کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ اگر مجھ کو نماز پڑھانے کے لیے رکھنا ہے تو کم سے کم تین سال رکھنا پڑے گا اور تنخواہ دس ہزار دینے پڑیں گے، لیکن اگر اس تین سال کے اندر مجھے نکالا گیا تو پورے تین سال کی تنخواہ مجھے دینی پڑے گی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد میں نماز پڑھانے کے لیے اس

طرح کی شرط لگانا کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب

اجارے کی مدت اور اجرت مقرر کرنا جائز ہے تو تین سال کے لیے اجارۂ امامت اور دس ہزار روپے ماہانہ تنخواہ بھی جائز ہے۔ اور بات طے ہو جائے تو تین سال سے پہلے بلا عذر شرعی فسخ اجارہ ناجائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

لا یجوز عزل صاحب وظیفة بلا جنحة. اھ

اور اگر کوئی عذرِ شرعی ہو مثلاً امام معذور ہو گیا تو تین سال سے پہلے بھی یہ اجارہ فسخ کرنا جائز ہے اور فسخ کے دن سے وہ امامت کی تنخواہ کا حق دار نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

قربانی کا ایک مسئلہ

زید کے تین لڑکے خالد و عمرو بکر ہیں۔ خالد آج آٹھ سال سے الگ رہتا ہے اور دو لڑکے عمرو بکر ماں اور باپ کے ساتھ رہتے ہیں، ان میں سے عمر اپنا کام الگ کرتے ہیں اور اس کا حساب اپنے ماں باپ کو نہیں دیتے، مگر جہاں کہیں ضرورت پڑتی ہے تو لگاتے ہیں۔ تیسرے لڑکے بکر ماسٹر ہیں اور ان کی تنخواہ پچیس سو روپے ہیں اور ان کی اہلیہ بھی سرکاری ٹیچر ہیں، وہ اپنی تنخواہ میں سے چودہ ہزار روپے ماں باپ (ساس، سسر) کو دیتی ہے اور کبھی کسی مہینے دیتی ہے اور کسی مہینے نہیں دیتی اور بات بات پر یہ کہہ دیتی ہے کہ یہ میری کمائی ہے۔ تو کیا باپ ایسی صورت میں اس روپیہ کو خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس کی قربانی اپنے اور اپنی اہلیہ کے نام کر سکتا ہے یا نہیں؟ حضرت سے التماس ہے کہ اس کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔ عین کرم ہوگا۔

الجواب

بکر کی اہلیہ ساس سسر کو جو روپے تنخواہ سے دیتی ہے ان سے جانور خرید کر ان کا اپنی طرف سے قربانی کرنا جائز و صحیح ہے اور اگر وہ انھیں ان روپیوں کا مالک نہیں بناتی مگر خرچ کرنے کی اجازت دیتی ہے تو بھی ان روپوں سے اس کے سسر و ساس کا اپنے لیے جانور خریدنا جائز ہے اور اس جانور کی قربانی بھی ان کی طرف سے جائز و صحیح ہے، خواہ چھوٹا جانور ہو یا بڑے جانور کا حصہ کہ جب ساس سسر نے خریداری اپنے لیے کی تو وہی جانور کے یا اس کے حصے کے مالک ہوئے، لہٰذا اس جانور یا حصے کی قربانی اس کی طرف سے صحیح ہے۔

اور اگر ان دو صورتوں کے سوا کوئی اور صورت ہے تو اسے واضح کر کے دوبارہ حکم معلوم کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

احرام سے باہر ہونے کے لیے سر پر استرا پھیرنا ضروری ہے

ایک حاجی نے حج کے بعد عمرہ کیا اور احرام کھولتے وقت حجام کے پاس گیا تو اس نے سر پر بجائے استرہ پھیرنے کے صرف قینچی چلادی جب کہ سر پر بال نہیں تھا، ایسی صورت میں حاجی اب کیا کرے۔ واضح ہو کہ حاجی حج و عمرہ سے فارغ ہو کر وطن ہندوستان واپس آگیا ہے، تو اب یہ کیا کرے۔ شریعت کی رو سے واضح فرمایا جائے۔

الجواب

جب حاجی کے سر پر بال نہ تھے تو سر پر استرا پھیرنا واجب تھا تاکہ وہ احرام سے باہر ہو اور احرام سے حرام ہونے والی چیزیں حلال ہو جائیں، مگر حاجی نے ایسا نہ کیا اور ہندوستان بھی واپس آگیا تو ظاہر ہے کہ اس نے شرعی حکم سے لاعلمی کی بنا پر ایسا کیا، اس لیے وہ احرام کے ممنوعات اور پابندیوں کے خلاف بہت کچھ امور کا ارتکاب کر سکتا ہے، مثلاً بیوی کے ساتھ جماع کرنا، شہوت کے ساتھ اسے بوسہ لینا، گلے لگانا، سلے ہوئے کپڑے پہننا، بالوں یا کپڑوں یا بدن میں خوشبو لگانا، اپنا یا دوسرے کا ناخن کترنا، خالص خوشبو، زعفران، جاوتری، لونگ، الائچی، دار چینی وغیرہ کھانا، جوتے جو وسط قدم کو چھپائیں پہننا اور ان کے علاوہ بھی دوسرے کام جو عمرہ کے احرام کی وجہ سے حرام ہیں، اگر اس حاجی نے عمرہ کے احرام کے باوجود یہ کام کیے یا اس سے کم یا زیادہ کام کیے تو کچھ صورتوں میں اس پر صرف صدقہ اور زیادہ تر صورتوں میں دَم واجب ہوگا، اور وہ بھی ہر جرم پر ایک دَم واجب ہوگا۔ یعنی مینڈھے کی قربانی یا بدنہ یعنی بڑے جانور گائے وغیرہ کی قربانی۔ اس حاجی سے اب تک احرام کے تعلق سے کتنے جرائم سرزد ہوئے؟ اس کے لیے وہ کسی اچھے عالمِ دین کے پاس جائے اور وہ بہارِ شریعت حصہ ۶/ میں "جرم اور ان کے کفارے کا بیان" پڑھ کر اس سے تفصیلات معلوم کریں، پھر بہار شریعت سے ہی اس جرم کا کفارہ (دَم، بدنہ، صدقہ) بتادیں اور یہ حاجی اس پر عمل کرے۔

اگر مکہ معظّمہ جا کر حدودِ حرم میں یہ بال منڈا سکے تو ٹھیک، ورنہ یہیں بال منڈا کر ایک دَم اس کے بدلے میں بھی دے یعنی حدودِ حرم سے باہر بال منڈانے پر۔

اور یہ یاد رہے کہ دَم یا بدنہ یا صدقہ وہی معتبر ہوگا جو حرم شریف کی حدود کے اندر ہو، اس لیے وہاں جانے والے کسی معتمد حاجی یا معتمر سے یہ خدمات حاصل کرے یا وہاں اس کا کوئی آدمی ہو تو وہ اس کی طرف سے دَم، بدنہ، صدقہ ادا کرے یعنی شرعاً اس کے ذمہ جو واجب ہوا اور جتنا واجب ہوا اسے ادا کرے۔ خدائے پاک اسے توفیق دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ☆

فلسفۂ اسلام اور مقامِ انسانیت

ڈاکٹر ظہور احمد دانش

اسلام دین فطرت ہے ۔ اس کا ہر قانون ، ہر ضابطہ فطرت کا عظیم نمونہ ہے ۔ جب ، جہاں اور جیسے انسان کی فلاح مقصود تھی اسی ترتیب کے ساتھ قوانین کی وضاحت گئی ۔ اسی اعتبار سے زندگی گزارنے کا سلیقہ سیکھایا گیا۔ اسلام کی نظر میں ایک انسان فقط راست قامت چلنے ، پھرنے اور بولنے والا انسان ہی نہیں بلکہ اس کی رفعت و معراج کو قران اپنی شان وعظمت کے مطابق بیان فرمایا۔ اس نہایت حساس ، اہم اور قابل فکر عنوان پر چند جملے یا سطریں کفایت نہ کریں گیں ۔ اسلام افراط و تفریط سے پاک دین ہے ۔ جس میں نہ تو شدت ہے اور نہ ہی انسان کو مکمل چھوٹ ہے بلکہ معاملہ بین بین ہے ۔ یعنی اعتدال کی عظیم نظیر ہے ۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی لاریب کتاب میں جہاں اپنی مخلوق کے سر اشرف المخلوقات کا تاج سجایا، جہاں اس کی تعریف و توصیف کو ذکر کیا وہاں اس کی مذمت پر بھی اپنی صفت قہاری کا اظہار فرمایا۔ جہاں اسے زمین و آسمان اور فرشتوں سے برتر پیش کیا گیا ہے ۔ وہاں اسے جانوروں سے پست تر بھی دکھایا گیا ہے ۔ آیئے تعارف انسانی قرآن کی زبانی جانتے ہیں ۔

کائنات عالم میں انسان کا مقام

قرآن کی عالی ترین تعریفیں بھی انسان کے بارے میں ہیں اور سخت ترین مذمت بھی ۔ جہاں اسے زمین و آسمان اور فرشتوں سے برتر پیش کیا گیا ہے وہاں اسے جانوروں سے پست تر بھی دکھایا گیا ہے ۔ قرآن کی نگاہ میں انسان میں یہ قوت ہے کہ وہ قوائے عالم کو مسخر کر سکتا ہے اور فرشتوں سے بھی کام لے سکتا ہے لیکن اس کے برعکس وہ اپنے برے اعمال کی پاداش میں اسفل السافلین میں بھی گر سکتا ہے یعنی انسان کا کردار اس کی بقاء اور اس کی منزل کے حصول میں ایک اہم محرک ہے ۔

انسانی اقدار:

اللہ عزوجل نے انسان کو اپنی تخلیق کا شاہکار بنایا۔ جسے دیکھ کر اس کی عظمت و شان کا پتا چلتا ہے ۔ جب خالق ارض و سمٰوت نے انسان کو پیدا فرمایا منصب و مسند سے نواز تو پھر اس کی جانچ پڑتال ، اس کے احتساب اور اس کی فکری ، شعوری ، مذہبی و ملی تربیت کے لیے ایک منظم نظام عطا فرمایا۔ اپنے پیغام ، اپنے احکام کی بجاآوری کے لیے انسان کو اعلی مقام عطا فرمایا ۔ شان و عظمت سے نوازا۔ بلند مرتبہ ، بلند شان انسان کے حصّہ میں آئی ۔

ربّ تعالیٰ کا خلیفہ:

مومنین پر کرم فرمانے والے خدائے احکم الحاکمین نے انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر مبعوث فرمایا۔ جس کا ذکر اس نے اپنی ذیشان کتاب میں فرمایا:

()وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ.

”اور یاد کرو جب تمھارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں ۔ بولے کیا ایسے کو نائب کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے اور خوں ریزیاں کرے اور ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بولتے ہیں ۔ فرمایا مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے ۔“ (سورہ بقرہ، آیت ۳۰)۔

مرتبہ کا احساس:

مراتب و درجات سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے سرفراز فرمایا پھر اس منصب کی ذمہ داری کا بھی احساس دلایا۔ اللہ عزوجل اپنی لاریب کتاب میں ارشاد فرماتا ہے:

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ .

”اور وہی ہے جس نے زمین میں تمہیں نائب کیا اور تم میں ایک کو دوسرے پر درجوں بلندی دی کہ تمہیں آزمائے اس چیز میں جو

تمہیں عطا کی بے شک تمھارے رب کو عذاب کرتے دیر نہیں لگتی اور بے شک وہ ضرور بخشنے والا مہربان ہے۔" (سورہ انعام، آیت ۱۶۵)۔

مذکورہ آیت کے تفسیر خزائن العرفان میں مفسر بیان فرماتے ہیں کہ: کیونکہ سیدِ عالم ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں اور آپ کی اُمّت آخرُ الاُمم ہے اس لیے ان کو زمین میں پہلوں کا خلیفہ کیا کہ اس کے مالک ہوں اور اس میں تصرُّف کریں۔ شکل وصورت میں، حسن وجمال میں، رزق ومال میں، علم وعقل میں، قوّت وکمال میں۔ یعنی آزمائش میں ڈالے کہ تم نعمت وجاہ ومال پاکر کیسے شکر گزار رہتے ہو اور باہم ایک دوسرے کے ساتھ کس قسم کے سلوک کرتے ہو۔"

انسان کی علمی استعداد دوسری تمام مخلوقات سے بڑھ کر ہے:

ربّ تعالیٰ نے ہر معاملہ میں انسان کو دیگر مخلوق پر صاحب شرف رکھا۔ علم ایک نعمت اور بے نظیر دولت ہے۔ اس معاملہ میں بھی ربّ نے انسان کو دیگر مخلوق سے بلند مرتبہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ.

"اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیا کے نام سکھائے پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کرکے فرمایا سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ۔" (پ۱، سورہ بقرہ آیت ۳۱)۔

ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے:

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ.

"بولے پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا بے شک تو ہی علم وحکمت والا ہے۔" (پ۱، سورہ بقرہ، آیت ۳۲)

اعلیٰ مراتب کے لیے سخت امتحانات سے واسطہ:

روایتی زندگی پر غور کریں تو ہم اگر کسی کی اہمیت کو بیان، کسی کی علمی استعداد کسی کی اہلیت کی تعریف بیاں کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں اللہ عزوجل اعلیٰ مرتبہ وعلمی مقام کو ارشاد فرمایا:

قَالَ يٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْۤ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ.

"فرمایا اے آدم بتادے انہیں سب اشیا کے نام جب آدم نے انہیں سب کے نام بتادیئے فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی سب چھپی چیزیں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔" (پ۱، سورہ بقرہ، آیت ۳۳)

تفسیر خزائن العرفان میں ہے: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر تمام اشیاء وجملہ مسمیات پیش فرماکر آپ کو ان کے اسماء وصفات و افعال وخواص واصول علوم وصناعات سب کا علم بطریق الہام عطا فرمایا۔ یعنی اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو کہ میں کوئی مخلوق تم سے زیادہ عالم پیدا نہ کروں گا اور خلافت کے تم ہی مستحق ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ کیونکہ خلیفہ کا کام تصرف وتدبیر اور عدل وانصاف ہے اور یہ بغیر اس کے ممکن نہیں کہ خلیفہ کو ان تمام چیزوں کا علم ہو جن پر اس کو متصرف فرمایا گیا اور جن کا اس کو فیصلہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے ملائکہ پر افضل ہونے کا سبب علم ظاہر فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ علم اسما خلوتوں اور تنہائیوں کی عبادت سے افضل ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ انبیا علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں۔

انسان فطرت خدا کی آشنائی ہے:

انسان کی فطرت خدا کی آشنائی ہے اور وہ اپنی فطرت کی گہرائی میں خدا کو پہچانتا ہے اور اس کے وجود سے آگاہ ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ.

"اور اے محبوب یاد کرو جب تمھارے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی نسل نکالی اور انہیں خود ان پر گواہ کیا، کیا میں تمھارا رب نہیں سب بولے کیوں نہیں ہم گواہ ہوئے کہ کہیں قیامت کے دن کہو کہ ہمیں اس کی خبر نہ تھی۔" (سورہ اعراف آیت ۱۷۲)

انسان آزاد اور مستقل شخصیت کا مالک ہے۔ وہ خدا کا امانت دار اور اس کو دوسروں تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ اس سے یہ بھی چاہا گیا ہے کہ وہ اپنے کام اور کوششوں سے زمین کو آباد کرے اور سعادت و شقاوت کے راستوں میں سے ایک کو اپنی مرضی سے اختیار کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسٰنُ اِنَّه كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۔

"بیشک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھالی بیشک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔" (پ۲۲، سورہ احزاب، آیت ۷۲)

انسان ذاتی شرافت اور کرامت کا مالک ہے:

انسان اپنی حقیقت کو خود اسی وقت پہچان سکتا ہے جب کہ وہ اپنی ذاتی شرافت کو سمجھ لے اور اپنے آپ کو پستی ذلت اور شہوانی خواہشات اور غلامی سے بالاتر سمجھے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۔

"اور بیشک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی اور ان کو خشکی اور تری میں سوار کیا اور ان کو ستھری چیزیں روزی دیں اور ان کو اپنی بہت مخلوق سے افضل کیا۔" (پ۱۵ سورہ بنی اسرائیل آیت ۷۰)

مومن اللہ کے نزدیک ملائکہ سے زیادہ کرامت رکھتا ہے وجہ یہ ہے کہ فرشتے طاعت پر مجبول ہیں یہی ان کی سرشت ہے، ان میں عقل ہے شہوت نہیں اور بہائم میں شہوت ہے عقل نہیں اور آدمی شہوت و عقل دونوں کا جامع ہے تو جس نے عقل کو شہوت پر غالب کیا وہ ملائکہ سے افضل ہے اور جس نے شہوت کو عقل پر غالب کیا وہ بہائم سے بدتر ہے۔

انسان اپنی فطری قوت سے ہر نیک و بد کو پہچان لیتا ہے:

وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۔

"اور جان کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی۔ بے شک مراد کو پہنچا جس نے اسے ستھرا کیا۔" (سورہ شمس آیات ۹،۷)

قلبی اطمینان:

انسان کے لیے اطمینان قلب کے حصول کا واحد ذریعہ یاد خدا ہے اس کی خواہشات لامتناہی ہیں لیکن خواہشوں کے پورا ہو جانے کے بعد وہ ان چیزوں سے بے زار ہو جاتا ہے مگر یہ کہ وہ خدا کی لامتناہی ذات سے مل جائے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔

"وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔" (سورہ رعد آیت ۲۸)

اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسٰنُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۔

"اے آدمی بے شک تجھے اپنے رب کی طرف یقینی دوڑنا ہے پھر اس سے ملنا۔" (پ۳۰، سورہ انشقاق آیت ۶)

زمین کی تمام نعمتیں انسان کے لیے ہیں:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا .ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔

"وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنایا جو کچھ زمین میں ہے پھر آسمان کی طرف استوا (قصد) فرمایا تو ٹھیک سات آسمان بنائے وہ سب کچھ جانتا ہے۔" (پ۱، سورہ بقرہ آیت ۲۹)

یعنی معدنیات، سبزے جانور دریا پہاڑ جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ نے انسان کے دینی و دنیوی نفع کے لیے بنائے دینی نفع اس طرح کہ زمین کے عجائبات دیکھ کر انسان اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت کی معرفت ہو اور دنیوی منافع یہ کہ کھاؤ پیو آرام کرو اپنے کاموں میں لاؤ۔

وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ"

"اور تمہارے لیے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں اپنے حکم سے بے شک اس میں نشانیاں ہیں سوچنے والوں کے لیے۔" (پ۲۵، سورہ جاثیہ، آیت ۱۳)۔

بندے کا کام بندگی ہے:

خدا نے انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ دنیا میں صرف اپنے خدا کی عبادت اور اس کے احکام کی پابندی کرے پس اس کی ذمہ داری امر خدا کی اطاعت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَفَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ .(سورہ حشر آیت ۱۹)

"اور ان جیسے نہ ہو جو اللہ کو بھول بیٹھے تو اللہ نے انہیں بلا میں ڈالا کہ اپنی جانیں یاد نہ رہیں وہی فاسق ہیں۔"

انسان خدا کی عبادت اور اس کی یاد کے بغیر اپنے آپ کو نہیں پا سکتا اگر وہ خدا کو بھول جائے تو اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ وہ کون ہے اور کس لیے ہے؟ اور یہ کہ وہ کیا کرے؟ اسے کیا کرنا چاہیے؟ اور کہاں جانا چاہیے؟

انسان جونہی اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے اور اس کی روح کے چہرے سے جسم کا پردہ جو کہ روح کے چہرے کا حجاب ہے اٹھ جاتا ہے تو اس وقت اس پر ایسے بہت سے حقائق ظاہر ہوتے ہیں جو دنیا میں اس سے پوشیدہ رہتے ہیں۔

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۔

"بیشک تو اس سے غفلت میں تھا تو ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھایا تو آج تیری نگاہ تیز ہے۔" (پ۲۶، سورہ ق، آیت ۲۲)

انسان دنیا میں ہمیشہ مادی مسائل کے حل کے لیے ہی کوششیں نہیں کرتا اور اس کو صرف مادی ضرورتیں ہی متحرک نہیں کرتیں بلکہ وہ بعض اوقات کسی بلند مقصد کے حصول کے لیے بھی اٹھتا ہے اور ممکن ہے کہ اس عمل سے اس کے ذہن میں سوائے رضائے خداوندی کے حصول کے اور کوئی مقصد نہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ . ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً .

"اے اطمینان والی جان۔ اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔" (پ۳۰، سورہ فجر آیات ۲۸،۲۷)

انسانیت کی اصلاح:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جٰهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۔

"اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔" (پ۱۰، سورۃ التوبۃ، آیت:۷۳)

فکر انگیز بات:

انسان خداوند تعالیٰ کی طرف سے منتخب شدہ ہستی ہے۔ وہ روحانی اور مادی عناصر کا مرکب خدا آشنا فطرت کا مالک آزاد اور مختار پیغام خداوندی کا امین دنیا کا اور اپنا ذمہ دار اور نیکی اور بدی کو سمجھنے والا ہے۔ اس کی زندگی کا آغاز کمزوری سے ہوتا ہے اور قوت اور کمال کی طرف بڑھتا ہے لیکن جب وہ حالت رشد وہدایت کی تمیز کو پہنچتا ہے تو اسے صرف اسی صورت میں سکون قلب ملتا ہے کہ وہ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو کر اس کی یاد میں مشغول ہو جائے اس کی علمی اور عملی استعداد لامحدود ہے۔ وہ ذاتی شرافت اور کرامت کا حامل ہے اس کی خواہشات پر کسی طرح کا مادی اور طبیعی رنگ نہیں چڑھتا اس کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے جائز فائدہ اٹھائے لیکن وہ اپنے خدا کے سامنے اپنے فرائض کی انجام دہی کا ذمہ دار بھی ہے۔

نادان انسان:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسٰنُ اِنَّه كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا .

"بیشک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھالی بیشک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔" (پ۲۲، سورہ احزاب آیت ۷۲)

رب چھوٹ دیتا ہے موقع دیتا ہے:

وَ اَصْحٰبُ مَدْيَنَ وَ كُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ.

"اور مدین والے اور موسیٰ کی تکذیب ہوئی تو میں نے کافروں کو ڈھیل دی پھر انہیں پکڑا تو کیسا ہوا میرا عذاب۔" (پ۱۷، سورۃ الحج، آیت ۴۴)

جلد بازی انسان کی فطرت ہے:

انسان جب انسان سے معاملہ کرتا ہے، کوئی کام سرانجام دیتا ہے تو ان کے جلد سے جلد ثمرات کا متقاضی ہوتا ہے۔ یہی معاملہ وہ بارگاہ الٰہی میں بھی برتتا ہے کہ ادھر دعا مانگی ادھر قبول ہو جائے، ادھر عرض کیا ادھر تعبیر ہو جائے اسی جلد باز فطرت کا تذکرہ ربّ تعالیٰ نے بھی پیش کیا۔

وَيَدْعُ الْاِنْسٰنُ بِالشَّرِّ دُعَآءَه بِالْخَيْرِ وَكَانَ الْاِنْسٰنُ عَجُوْلًا ۔

"اور آدمی برائی کی دعا کرتا ہے جیسے بھلائی مانگتا ہے اور آدمی بڑا جلد باز ہے۔" (پ۱۵، سورہ اسرائیل، آیت ۱۱)

جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو لیٹے بیٹھے اور کھڑے کھڑے پکارنے لگتا ہے پھر جب اس کی وہ تکلیف اس سے دور کر دیتے ہیں تو پھر وہ اپنی پہلی حالت میں آجاتا ہے گویا جو تکلیف اس کو پہنچی تھی اس کو دور کرنے کے لیے اس نے کبھی ہم کو پکارا ہی نہ تھا۔ (سورہ یونس آیت ۱۲)

حسین یا بدصورت:

یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا انسان قرآن حکیم کی نظر میں بدصورت مخلوق بھی اور حسین مخلوق بھی ہے وہ بھی بہت حسین اور بہت بدصورت؟ کیا وہ دو طرح کی فطرتوں کا حامل ہے یعنی اس کی آدھی فطرت نور ہے اور آدھی ظلمت؟ اور ایسا کیوں ہے کہ قرآن حکیم اس کی بہت زیادہ تعریف بھی کرتا ہے اور بے انتہا مذمت بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی تعریف اور مذمت اس سبب سے نہیں کہ وہ دو فطرتوں کا حامل ہے گویا اس کی ایک فطرت قابل تعریف اور دوسری قابل مذمت۔ قرآن حکیم کا نقطہ نظر یہ ہے کہ انسان اپنی استعدادی قوت کی بناء پر تمام کمالات کا حامل ہے اور اس کا لازم ہے کہ وہ ان کمالات کو قوت سے فعل میں لائے اور یہ خود انسان ہی ہے جو اپنی ذات کا معمار ہے۔ انسان کے ان کمالات تک پہنچنے کی اصل شرط ایمان ہے۔ ایمان ہی سے اس میں تقویٰ نیک عمل اور راہ خدا میں کوشش کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے ایمان ہی کے ذریعے سے علم نفس امارہ کے ہاتھ میں ناجائز ہتھیار کی صورت سے نکل کر مفید ہتھیار کی صورت اختیار کرتا ہے۔ پس حقیقی انسان جو کہ خلیفۃ اللہ ہے مسجود ملائک ہے دنیا کی ہر چیز اسی کے لیے ہے اور وہ تمام انسانی کمالات کا حامل ہے وہ انسان باایمان ہے نہ کہ انسان بے ایمان اور ناقص ہے۔ ایسا انسان حریص اور خونریز ہے وہ بخیل اور خسیس ہے وہ کافر ہے اور حیوان سے پست تر۔ قرآن حکیم میں ایسی بھی آیات ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ وہ کون سا انسان ہے جس کی تعریف کی گئی ہے؟ اور وہ کون سا انسان ہے جس کی مذمت کی گئی ہے؟ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انسان جو خدا پر ایمان نہیں رکھتا انسان حقیقی نہیں ہے اگر انسان اس حقیقت یگانہ سے تعلق قائم کرلے جس کی یاد سے دل آرام پاتا ہے تو وہ کمالات کا حامل ہے اور اگر وہ اس حقیقت یگانہ یعنی خدا سے جدا ہو جاتا ہے تو وہ ایک ایسے درخت کی مانند ہے جو اپنی جڑوں سے جدا ہو چکا ہے۔ اس موضوع پر ہم ذیل میں آیات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں:

وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسٰنَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ.

”اس زمانہ محبوب کی قسم۔ بے شک آدمی ضرور نقصان میں ہے۔ مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔“ (پ ۳۰، سورۃ العصر)

ایک اور مقام پر اللہ کریم اپنے بندوں کا تعارف ارشاد فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعٰمِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ.

”اور بے شک ہم نے جہنّم کے لیے پیدا کیے بہت جن اور آدمی وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں اور وہ آنکھیں جن سے دیکھتے نہیں اور وہ کان جن سے سنتے نہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ وہی غفلت میں پڑے ہیں۔“ (پ ۹، سورہ اعراف، آیت ۱۷۹)

اس عنوان پر احقر نے حتی الوسع یہ کوشش کی کہ اللہ عزوجل کا عطا کردہ انسانی تعارف پیش کیا جائے تاکہ اس ظلم وستم ڈھانے والے، اس نفرتوں و عداوتوں کو رواج دینے والے، قوم پرستی، تعصب کی بھینٹ چڑھنے والے، انا و خود پسندی میں رچ بس جانے والے، اللہ اور اللہ کے رسول کی رسی کو چھوڑنے والے، ذاتی مفاد، ابن الوقت مزاج کو اپنانے والے، اپنوں و بیگانوں کی تمیز کو پس پشت ڈالنے والے، علم کو جہالت کی کمان بنانے والے، معاش و معاشرت کی دھجیاں بکھیرنے والے، مذہب کو ثانوی حیثیت دینے والے، وحشیوں کی سی زندگی گزرانے والے انسان کو بتاسکوں کہ تیرا منصب، تیرا تعارف، تیرا وقار، تیری عظمت، تیری شان، تیری ذمہ داری اور تیری پہچان کیا تھی اور تو نے کدھر کی راہ لی۔ تو اس شاہراہ پر چل پڑا جس کا انجام حماقت، ضلالت و نقصان ہی نقصان ہے۔ آپ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، کسی بھی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں کسی بھی شعبہ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ تعصب، انانیت کی عینک اتار کر قران کا مطالعہ کیجیے۔ ترجمہ و تفسیر دنیا کی کئی زبانوں میں موجود ہیں مفاہم تک رسائی آسان ہے جہاں دقت، مشکل محسوس کریں علماء، اہل علم و دانش سے رجوع کر کے فراخ دلی سے حق و صداقت کو جاننے کی کوشش کریں تو ان شاء اللہ عزوجل مجھے اپنے کریم رحمٰن و ربّ سے کامل یقین ہے کہ جس جس کے حق میں رشد و ہدایت مقرر ہوگی اسے مل ہی کر رہے گی۔ اللہ کریم ہمیں علم نافع کی دولت سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین ☆☆

مشاهدے

اقوامِ متحدہ میں مسلم سائنس دانوں کی یادگار

مولانا محمد فروغ القادری

مورخہ ۹/ مارچ ۲۰۱۴ء بروز اتوار ہالینڈ، جرمنی ہوتا ہوا آسٹریا (Austria) حاضر ہوا، جہاں ایک مقامی ہوٹل کے وسیع و عریض ہال میں آسٹریا کے مسلم نوجوانوں کی متحرک تنظیم نے اسلام کے نظامِ عدل و مساوات (Islam – A sytem of justice & quality) کے عنوان سے ایک عظیم الشان کانفرنس کا اہتمام کیا تھا۔ آسٹریا کا تاریخی اعتبار سے جنگ عظیم دوم میں بڑا نمایاں کردار رہا ہے۔ دنیا بھر کے مختلف ملکوں سے آئے ہوئے کثیر الثقافت اور کثیر المذاہب لوگوں کی ایک خاصی تعداد یہاں موجود ہے جن میں انڈو پاک کے علاوہ فرانس، ترکی، بوسنیا، الجزائر اور یمنی نژاد یہاں برسوں سے سکونت پذیر ہیں اور اب اپنی علاقائی زبان کے بجائے جرمن بولتے ہیں۔ آسٹریائی مسلمانوں نے بھی یہاں کی معیشت اور سیاست پر اچھے اثرات مرتب کیے ہیں۔ مرکزی شہر ویانا کی سٹی کونسل میں موجود مسلم کاؤنسلرس (Muslim Councillors) نے اپنا نمایاں کردار ادا کرتے ہوئے اسلامی اداروں اور مساجد کے قیام کے لیے اپنے اخلاص پیشہ محنتوں سے مثالی کارنامہ انجام دیا ہے۔ آسٹریا جنگ عظیم دوم میں ہٹلر کی جنگی حکمتِ عملی اور اس کی پالیسیوں کا مرکز رہا ہے۔ مغربی یورپ میں آسٹریا کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ نیویارک کے بعد اقوامِ متحدہ (UNO) کا سب سے بڑا مرکز یہیں موجود ہے، جس کے مختلف شعبوں کی عمارت میلوں میں پھیلی ہوئی ہے، جہاں دنیا بھر کے اربابِ مملکت بین الاقوامی مسائل پر گفت و شنید کے لیے بیٹھتے ہیں اور اقوامِ عالم کے مقدرات کے فیصلے سناتے ہیں۔

آسٹریا کی مذکورہ اسلامی کانفرنس میں میرے خطاب کے دوران مختلف ممالک کے سفرا، مندوبین اور اقوامِ متحدہ کے اہم شعبہ جات میں اپنے فرائض انجام دینے والے افراد بھی موجود تھے۔ کانفرنس کے اختتام پر ان تمام حضرات سے ملاقات ہوئی، جس پر انھوں نے مجھے اعزازی طور پر اقوامِ متحدہ کے اجلاس میں شرکت اور اس کی کارگزاریوں کے معائنے کی دعوت دی۔ اس نشست کا حقیقی مقصد بھی یہی تھا کہ اسلام کی انسانیت نوازی اور اس کے نظامِ عدل و مساوات کو اقوامِ متحدہ کے ایوان سے عام کیا جائے تاکہ دنیا کے مختلف ممالک سے آئے ہوئے مندوبین تک اسلام کی دعوت اس ذریعہ سے پہنچے۔ مغربی مفکرین اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے بارے میں اپنے تمام تر تعصبات کے باوجود اسلام کی عظیم الشان تہذیب و ثقافت کی نفی نہیں کرسکتے۔ اسلام آج دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ مذہب ہے جو زندگی کے حقائق کو فطرت کے آئینے میں دیکھتا ہے۔ میڈیا کے ذریعہ سے اسلام کو اپنی تنقید کا نشانہ بنانے والے اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ مسلمانوں نے یورپ کی تہذیب کو محض شائستگی کی دولت سے نہیں نوازا بلکہ شخصیت کی تعمیر و کردار کے لیے مضبوط بنیادیں فراہم کی ہیں اور تاریکی میں ڈوبے ہوئے یورپ کو علم و ثقافت کی روشنی سے ہم کنار کیا ہے۔ اسلامی ثقافت نے انسانیت کو حیات کی تاب ناکیوں سے سرفراز کیا، اور اس کرۂ ارض پر مہذب معاشروں کے قیام کی راہ ہموار کی جو آج بھی تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہے۔ علم و فن کے یام و در آج اسی سے روشن ہیں۔

مغربی دنیا کو اسلام کی تاریخی، تعلیمی اور سائنسی اہمیت کا اعتراف جس قدر ہے اس کا حقیقی اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب میں نے اقوامِ متحدہ کی میوزیم گیلری میں اسلامی نوادرات دیکھے جہاں عالمِ اسلام اور مسلمانوں کے درخشندہ ماضی کے حوالے سے تقریباً ایک ہزار سال پر مشتمل ان کے علمی، سیاسی اور سائنسی مآثر کو حد درجہ اہتمام کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔ سب سے زیادہ اہمیت خیز بات یہ تھی کہ اقوامِ متحدہ کی مرکزی عمارت کے باہر ایک نہایت ہی پرکشش وسیع و عریض میدان میں اسلامی فنِ باغبانی کا نمونہ پیش کیا گیا ہے جس میں ہزاروں اقسام کے قلمی پھول لگائے گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ باغ مسلم اسپین کے حکمرانوں کے ذوقِ باغبانی سے متاثر ہوکر اسی نہج پر مرتب کیا گیا ہے۔ اس باغ کے وسطی حصے میں چار قد آدم مجسمے نصب ہیں جن کی ہیئت

کذائیہ سے علوم و فنون کے مختلف شعبوں میں ان کے اپنے اختصاص و انہماک کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ مجھے انھیں دیکھ کر عالمِ اسلام کے بے حس اور بے غیرت حکمرانوں کی کم ظرفی پر رونا آیا کہ جن کی عظیم خدمات کو ان جاہل اور بدوصفت حکمرانوں نے یکسر فراموش کر دیا ہے، مگر مغرب نے صدیاں گزر جانے کے باوجود بھی انھیں اپنے سر کا تاج اور ماتھے کا جھومر بنایا ہے۔ یہ مذکورہ چار مجسمے جن اہم شخصیات کی جانب منسوب تھے وہ اسلامی دنیا کے مایہ ناز سائنس داں اور ماہرینِ فن ہیں—

(۱) شیخ حسین عبد اللہ بن علی سینا (۲) ابو بکر محمد زکریا الرازی (۳) ابوریحان محمد بن احمد البیرونی (۴) ابوالفتح عمر بن ابراہیم خیام۔

حالات کی ستم ظریفی کہیے کہ ہمارے ہاں عموماً مدارسِ عربیہ میں ان شخصیات کے کارنامہ ہائے حیات کو باضابطہ کیا جزوی طور پر بھی پڑھائے جانے کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا۔ میں یہاں قارئین کے ذوقِ طبع کے لیے ضمناً ان کا تذکرہ علی الترتیب پیش کرتا ہوں۔ سائنس داں کا تذکرہ آتے ہی عام طور پر ذہن امریکہ اور یورپ کے غیر مسلم سائنس دانوں کی طرف جاتا ہے، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ موجودہ ایجادات اور ترقی کے پس منظر میں ان مسلمان سائنس دانوں کا بڑا حصہ ہے جنھوں نے اپنی کوششوں اور عرق ریزیوں سے ان کے بنیادی نقوش فراہم کیے تھے۔ کاش! مسلم دنیا اپنے اسباب کی فراوانی کے باوجود اس جانب بھی توجہ کرتی اور ہم میں ایسے افراد پیدا ہوتے جس پر آئندہ نسلیں ناز کرتیں۔

(۱) شیخ حسین عبد اللہ بن علی سینا: دنیائے علم و فن کی باکمال اور جامع الصفات شخصیت، علمِ طبیعیات (Physics) اور حیاتیات کا ماہرِ خصوصی، علمِ تشریح الاعضاء (Biology)، منافع الاعضاء (Physiology)، علم العلاج اور علم الامراض (Metriamedica) پر گہری نظر رکھنے والا عظیم محقق، اپنے فن پر مجتہدانہ رائے پیش کرنے والا علم الادویہ کا ماہر، اپنے مشاہدے اور تحقیق کی بنیاد پر فنِ طب کا مستند اور شاہکار مصنف، قدیم و جدید دنیا کا عظیم سائنس داں شیخ حسین عبد اللہ بن علی سینا بخارا کے قصبہ خرمیش میں ۳۷۰ھ/۹۸۰ء میں پیدا ہوئے اور ہمدان (ایران) میں ۴۲۸ھ/۱۰۳۸ء میں ۵۸/ سال کی عمر میں وصال پائے۔

شیخ بن علی سینا نے ابتدائی تعلیم روایتی طور پر حاصل کی اور باضابطہ علوم و فنون سے ان کے کان ابھی آشنا نہ تھے۔ بن علی سینا کے والد علم و فن کے دلدادہ تھے، انھوں نے اپنے بیٹے کو ایک ماہر ریاضی داں شیخ محمود مسّاح کے سپرد کر دیا۔ ابنِ سینا نے محمود مساح سے علمِ معقول و منقول کی تعلیم حاصل کرنی شروع کر دی۔ اسی دوران بخارا میں اپنے دور کے عظیم محقق اور علمِ ریاضی کے شہرہ آفاق استاد ابو عبد اللہ نائلی تشریف لائے۔ ابنِ سینا کے والد ماجد نے موقع غنیمت جانا اور انھیں ابو عبد اللہ نائلی کی خدمت میں حصولِ علم کے لیے پیش کر دیا۔ شیخ ابو عبد اللہ نائلی اس دور کے اکابر علما کے استاذ اور قابل فلسفی تھے۔ ابنِ سینا کی ذہانت سے وہ حد درجہ متاثر ہوئے اور ان میں علم و فن کا صحیح ذوق پیدا کر دیا۔ بالآخر ابنِ سینا نے علمِ ریاضی، علمِ فلکیات، علمِ طب اور علمِ اقلیدس کی تمام فنی کتابوں کو اپنے استاذِ گرامی سے بالاستیعاب پڑھا اور تمام علوم و فنون پر مہارتِ تامہ حاصل کر لی۔ اپنی خدا داد ذہانت کے ذریعہ مضامین میں ایسے نکتے پیدا کرتے کہ استاذِ گرامی حیرت زدہ رہ جاتے۔ اپنے باذوق ذہین شاگرد رشید کی علمی صلاحیتوں کو دیکھ کر بے پناہ خوش ہوتے اور دعاؤں سے نوازتے۔ بوعلی سینا اپنی خود نوشت سوانح عمری میں اپنی ذہنی صلاحیتوں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"میں نے شیخ ابو عبد اللہ نائلی سے فلسفہ اور منطق کی اہم کتابیں پڑھیں، لیکن وہ بعض اوقات اس کی باریکیاں سمجھانے سے قاصر رہے، حتیٰ کہ رات دن کے مطالعے سے میں نے ذاتی طور پر قابلیت حاصل کر لی۔" وہ مزید لکھتے ہیں کہ: "میرے پڑوس میں ایک شخص ماہرِ علمِ عروض رہتا تھا، اس نے مجھ سے درخواست کی کہ علمِ عروض پر ایک کتاب لکھ دوں، میں نے اس فن پر ایک جامع کتاب لکھ کر اس کے حوالے کر دی۔ اسی دور کے ایک عظیم فقیہ نے مجھ سے فرمائش کی اور کہا کہ میں ان کی کتابوں کی شرح لکھوں۔ میں میں نے "الحاصل والمحصول" کے نام سے بیس جلدوں میں ایک کتاب لکھ دی۔ مذکورہ فقیہ کے لیے علمِ اخلاق پر بھی ایک کتاب میں نے لکھی۔"

بتایا جاتا ہے کہ ان تمام کتابوں کی تصنیف کے وقت بوعلی سینا کی عمر صرف ۲۲/ سال کی تھی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں علوم و فنون کے حصول سے مکمل طور پر فارغ ہو چکے تھے۔ چند سال سیر و سیاحت میں بھی گزارے، پھر تصنیف و تالیف کی جانب متوجہ ہوئے اور یہ علمی مشغلہ زندگی کے آخری لمحے تک باقی رہا۔ فنِ طب میں تو انھیں اس درجہ لگاؤ تھا کہ اس فن کو انھوں نے بامِ عروج تک پہنچا دیا۔

بوعلی سینا حد درجہ قوی الحافظہ تھے۔ ان کی علمی اور تصنیفی صلاحیتیں حیرت انگیز تھیں۔ وہ ہمیشہ غور و فکر میں ڈوبے رہتے تھے۔ ان کا دماغ ہر وقت کسی نئی علمی دنیا کی تلاش میں گردش کرتا رہتا۔ اہم ترین مضامین پر بغیر کسی مطالعے کے محض اپنی ذاتی قابلیت اور خداداد ذہانت کی بنیاد پر لکھتے جاتے۔ تحریری تسلسل کا عالم یہ تھا کہ روزانہ بے تکان تقریباً ایک سو اوراق مرتب فرماتے۔ بادی النظر میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے دماغ کے

پوشیدہ خدوخال میں مکمل کتاب اپنی ترتیب و تہذیب کے ساتھ موجود ہے۔ اپنی مشہور اور مایہ ناز تصنیف "کتاب الشفاء" بھی اسی انداز سے لکھی۔ بوعلی سینا نے سب سے پہلے اپنی تصنیف "کتاب المجموع" لکھی۔ یہ کتاب فنِ شعر و ادب اور صنائع وبدائع کے مضامین پر مشتمل ہے۔ اپنے عہد کے متبحر عالم اور فلسفی شیخ ابوبکر البرقی الخوارزمی کی فرمائش پر علمِ فقہ، علمِ تفسیر، علمِ تصوف، علمِ فلسفہ وحکمت کے علاوہ علم الاخلاق میں "کتاب البروالاثم" مرتب فرمائی۔

فنِ طب (Medical Science) میں شیخ بوعلی سینا کو اس فن کا مجدد کہا جاتا ہے۔ مغربی دنیا بھی انھیں اسی حوالے سے عزت واحترام کی نظر سے دیکھتی ہے۔ فنِ طب کے ہر موضوع پر ان کے خیالات و نظریات بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے فنِ طب میں علم النفس (Psychology) کو باضابطہ طور پر داخل کیا۔ ان کی یہ تحقیق ہے کہ تمام نفسیاتی حالات جیسے خوشی اور غم، غیظ و غضب، فکر و تردد اور دوسرے احساسات ان سب کا تعلق قلب کی ساخت سے ہے۔ ساتھ ہی خون کے اقسام اور دوسرے رطوبات بدنیہ کا ان میں بہت بڑا دخل ہے۔ شیخ بو علی سینا فنِ حکمت کے وہ معلمِ اول ہیں جنھوں نے ایسے بیش قیمت نکتے پیدا کیے اور اس جانب توجہ کی، ورنہ ان سے پہلے متقدمین کی کتابیں اس طرح کے مضامین اور تحقیقات سے خالی ہوتی تھیں۔ وہ جامع الصفات تھے، علم و فن کے تمام شعبوں پر انھیں مرتبۂ اختصاص حاصل تھا۔ علومِ عقلی، فلسفہ، سائنس، علمِ طب، فلمِ فقہ، شعروادب غرض کہ ہر موضوع پر ان کی کتابیں نہایت ہی بلند مقام رکھتی ہیں۔ ان کے خیالات و نظریات آج کے دورِ جدید میں بھی حد درجہ اہمیت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ یورپ کی تمام درس گاہوں میں آج بھی فلسفہ وحکمت پر لکھی گئی ان کی کتابوں کے تراجم پڑھائے جاتے ہیں۔

بلاشبہہ شیخ بوعلی سینا کی تمام تصنیفات اپنی تحقیقات و نظریات کے اعتبار سے منفرد خصوص کی حامل ہیں، مگر جن کتابوں نے انھیں مغرب میں شہرت بخشی اور صفِ اول کے سائنس دانوں میں شامل کیا، ان میں ان کی دو کتابیں "القانون" اور "کتاب الشفاء" خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔

"کتاب الشفاء" میں فلسفہ وحکمت پر سیر حاصل بحث ہے۔ علمِ کیمیا (Chemistry) پر مشاہداتی اور تجرباتی اصول بیان کیے گئے ہیں۔ فنِ موسیقی سے بھی بحث کی گئی ہے۔ علمِ ریاضی اور علمِ حیاتیات (Biology) پر بھی گہرے اور تحقیقی مضامین موجود ہیں۔ علمِ طبیعیات میں بھی شیخ بوعلی سینا کی دریافت اہمیت خیز ہے۔ انھوں نے طبیعیات میں حرکت، قوت، خلا، روشنی اور حرارت جیسے اہم مضامین پر گہرے تحقیقی کام کیے ہیں اور سائنسی دنیا میں اپنا ایک بالکل منفرد اور جدید نظریہ پیش کیا ہے۔ انھوں نے اپنے کارآمد تجربے اور تحقیق سے یہ ثابت کیا ہے کہ روشنی کے ذرات نور افشاں جسم سے نکلتے ہیں، اس لیے روشنی کی ایک واضح رفتار ہوتی ہے۔ اس لیے بوعلی سینا پہلے سائنس داں ہیں جنھوں نے روشنی کی رفتار کو ثابت کیا اور ان کی یہ دریافت آج بھی مستند ہے۔ علمِ ریاضی (Mathematics) سے بھی خاصی دل چسپی تھی۔ چناں چہ علمِ ساحت میں انھوں نے ایسا طریقہ ایجاد کیا تھا کہ وہ باریک سے باریک چیز کو بھی صحت کے ساتھ ناپ لیا کرتے تھے، اس لیے انھیں ایسے نازک ترین پیمانے کا موجد کہا جاتا ہے جسے علم و دانش کی زبان میں ورنیئر (Vernier) کہتے ہیں۔ فنِ کیمیا گری میں بھی ان کے خیالات اپنے معاصرین اور متقدمین کی رائے سے بالکل الگ ہیں۔ خصوصاً فنِ طب میں بوعلی سینا امام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علمِ تشریح الاعضاء اور منافع الاعضاء (Physiology) نیز علم العلاج (Meteriamedica) میں ان کے انکشافات و نظریات آج بھی مستند سمجھے جاتے ہیں۔

"کتاب الشفاء" کے بعد "کتاب القانون" شیخ بوعلی سینا کی دوسری اہم کتاب ہے جس میں فنِ طب اور تشریح الاجسام کے بنیادی مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ اس میں دس لاکھ الفاظ ہیں اور پانچ جلدوں میں ہے۔ یہ معرکۃ الآرا اور عظیم ترین تصنیف صحیح معنوں میں علم تشریح الاعضاء، منافع الاعضاء اور علم العلاج کا ایک مکمل انسائیکلو پیڈیا ہے۔ نظری اور عملی علم الاعلاج (Theory & Practice of Medicine) کے باب میں اس قدر وسیع اور مستند معلومات پر محیط کتاب میڈیکل سائنس کی تاریخ میں کہیں اور نظر نہیں آتی۔ شیخ بوعلی سینا نے علم الامراض والعلاج پر جو وسیع تجربے کیے ہیں اور اس ذریعے سے جو اہم معلومات حاصل کی ہیں اسے ایک اہم مضمون کی شکل میں پیش کر کے مستقل فن کا درجہ دے دیا ہے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بارہویں صدی کے بعد جب مسلمانوں کا علمی خزانہ یورپ کے ہاتھ لگا تو ان کی آنکھیں کھل گئیں، یورپ اپنے اس دور میں جہالت کی تاریکیوں سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس لیے انفرادی طور پر اس عظیم علمی خزانے سے فائدہ اٹھانے کی تدبیروں میں لگا رہا۔ یورپ کے اربابِ علم و دانش نے شیخ بوعلی سینا کی علمی صلاحیتوں کی بے حد قدر کی اور ان کی کتابوں کو اپنی زبان میں منتقل کر کے

پورے یورپ کو اس سے براہِ راست مستفید ہونے کے مواقع فراہم کیے۔ یورپ میں ابنِ سینا کی پذیرائی کا عالم یہ ہے کہ ان کی مشہور کتاب "القانون" یورپ کے میڈیکل کالجوں میں صدیوں داخلِ نصاب رہی۔ "القانون" کی اہمیت و افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پندرہویں صدی میں یہ کتاب سولہ بار اور سولہویں صدی میں بیس بار چھپی۔ انگریزی اور فرنچ زبانوں میں اس کے متعدّد بار ترجمے شائع ہوئے۔ ڈاکٹر ہورٹن نے "کتاب الشفاء" کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا اور بعد میں اس کی باضابطہ شرح بھی لکھی۔ ڈاکٹر گلیوم اوفرنی نے "کتاب النفس" کا ترجمہ لاطینی زبان میں کیا۔ یورپی دانش وروں نے بوعلی سینا کو قدر و منزلت کی نظروں سے دیکھا اور تقریباً آٹھ سو سال تک ان کی کتابیں یورپ کے میڈیکل کالجوں میں پڑھائی جاتی رہی ہیں۔ ان کے تمام انکشافات و نظریات آج بھی یہاں کی درس گاہوں میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ بلاشبہہ عصرِ جدید میں میڈیکل سائنس کو بے پناہ ترقی حاصل ہوئی ہے، اس موضوع پر نئی تحقیقات اور نئی کتابیں شائع ہو رہی ہیں، تاہم یہ سارے امور اسی دائرے میں انجام پذیر ہو رہے ہیں جنھیں بوعلی سینا نے قائم کیا تھا اور بنیادی ماخذ وہی ہے جس پر انھوں نے اپنی کتاب "القانون" کی بنیاد رکھی تھی۔ دنیائے علم و فن میں شیخ بوعلی سینا کی عظمت کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔

"شیخ بو علی سینا" کی مندرجہ ذیل کتابیں "البرٹ میوزیم لائبریری لندن" (Albert Museum Library) میں محفوظ ہیں۔ ان کے اسما قارئین کی نذر کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

۱. کتاب المجموع — فنِ شعر و شاعری اور علم عروض میں
۲. کتاب الحاصل والمحصول — فنِ تفسیر، تصوف اور فقہ میں
۳. کتاب البر والاثم — فنِ اخلاق و آداب منزل میں
۴. کتاب القانون — فنِ طب اور تشریح الاجسام میں
۵. کتاب الشفاء — علمِ ریاضی، فلسفہ، علمِ حیاتیات اور علمِ کیمیا میں
۶. کتاب الارصاد الکلیۃ — علومِ فلسفہ و حکمت میں
۷. کتاب الارشاد — فنِ طب میں
۸. مقالات فی آلۃ رصدیۃ — آلاتِ رصد سے متعلق مکمل تفصیلات
۹. مقالات فی اجرام السماویۃ — علومِ فلکیات سے متعلق مضامین
۱۰. قوانین و معالجات طبّیہ — علاج اور ادویات سے متعلق معلومات
۱۱. لسان العرب — فنِ لغت اور ادب میں
۱۲. کتاب النجاۃ — علمِ فقہ میں

اس طرح شیخ بوعلی سینا کی دیگر تصنیفات میں "کتاب المبدأ والمعاد، مقالۃ فی اقسام الحکمۃ والعلوم، نقص الحکمۃ المشرقیۃ، کتاب بیان عکوس ذوات الجہۃ، المنطق بالشعر"۔ علاوہ ازیں کئی ایک اہم کتب و رسائل اور علمی مخطوطات کا خاصا ذخیرہ (United Nation Austria) اقوامِ متحدہ آسٹریا کی سینٹرل لائبریری میں بڑے اہتمام کے ساتھ محفوظ ہے۔ علمِ توقیت و ہیئت کے حوالے سے بھی مغربی دنیا پر ابنِ سینا کے عظیم احسانات ہیں۔ یورپ کی رصد گاہوں (Observatory) میں آج ان کے اصولیات پر باضابطہ عمل کیا جاتا ہے۔

(۲) امام ابوبکر محمد زکریا الرازی (۳۰۸ھ/۹۳۲ء): امام زکریا رازی کو علمِ طب میں ان کے اپنے خیالات و نظریات کے اعتبار سے اس فن کا امام کہا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی اس عظیم فن کی خدمت میں گزار دی اور تجربات کے حصول میں ہر مشکل راہوں سے گزرے۔ "رازی اور فنِ طب" بین الاقوامی طبی کانفرنس ۱۹۱۳ء لندن میں عظیم مقالہ پڑھا گیا اور انھیں دانش ورانِ مغرب نے فنِ طب کا امام تسلیم کیا۔ امام زکریا الرازی کی برسی ہر سال پیرس یونیورسٹی میں بڑے اہتمام کے ساتھ منائی جاتی ہے اور ان کی اہم تحقیقات پر نئے سرے سے کام کا آغاز کیا جاتا ہے۔ محمد زکریا الرازی دنیائے علم کے طبیبِ اعظم، عالی دماغ محقق اور عظیم سائنس داں ہیں۔ ان سب کے باوجود وہ ایک خدا ترس بزرگ، عابدِ شب زندہ دار اور تصوف و روحانیت کے بلند مرتبے پر فائز تھے۔ انھوں نے انسانی زندگی میں کردار و عمل اور اخلاقی قدروں کو نمایاں مقام عطا کیا ہے۔ وہ علم طبیعیات میں بھی بے پناہ مہارت رکھتے تھے۔ انھوں نے مادّے پر غور و فکر کر کے اس کی تقسیم کی، نامیاتی و غیر نامیاتی کیمیائی اجزا کو باضابطہ جمع کیا۔ بے شمار دواؤں کے اجزائے ترکیبی دریافت کیے، ان کے خواص و اثرات معلوم کیے اور ان تمام دواؤں کی درجہ بندی کی۔ زکریا الرازی نے محتاط پیمانے پر دواؤں کو وزن کرنے کے لیے "میزان طبعی" ایجاد کیا۔ میزانِ طبعی (Hydrostatic Balance) ایسا ترازو ہے جس میں ہر شے کا صحیح وزن معلوم کیا جاسکتا ہے۔

امام زکریا الرازی کی مشہور ترین تصنیف "کتاب الحاوی" ہے۔ یہ کتاب ان کے تجربات، خیالات اور نظریات کا ماحصل ہے۔ ان کی دوسری اہم کتاب "المنصوری" ہے۔ ان کے علاوہ ان کی بے شمار کتابیں مختلف موضوعات پر ہیں۔ امام رازی کی اکثر کتابوں کا ترجمہ یورپ میں ہو چکا ہے۔

.....(جاری)

قاضی سید عبدالفتاح گلشن آبادی
حیات اور علمی آثار

محمد توفیق احسن برکاتی

جن نامور علمائے دکن اور مشائخ طریقت نے مہاراشٹر دکن کی سرزمین پر علم وفن، صدق وصفا، اخلاقیات اور فضل وکمال کے گل ولالہ اُگائے اور اپنی شبانہ روز کی محنت شاقہ سے اس کے حسن ودل کشی میں چار چاند لگائے، ان میں ایک امتیازی شان رکھنے والی شخصیت حضرت علامہ قاضی سید عبدالفتاح گلشن آبادی علیہ الرحمۃ کی ہے۔ آپ عربی وفارسی کے متبحر عالم ہونے کے علاوہ ایک بلند پایہ مصنف ومحقق اور مایہ ناز قاضی ومفتی بھی تھے، ان کی فنی تصنیفات، تاریخی تذکرے اور گراں بہار علمی خزانے ایک سچی تاریخ رکھتے ہیں اور جس کے تذکرہ کے بغیر تاریخ دکن مرتب ہی نہیں کی جاسکتی۔

آپ کا اسم گرامی "سید عبدالفتاح" اور عرفیت "اشرف علی" ہے۔ آپ کے جداعلیٰ سید اسداللہ حسینی شاہ جہاں کے عہد (۱۰۳۷ھ/ ۱۶۲۷ء تا ۱۰۶۸ھ/ ۱۶۵۸ء) میں وارد دکن ہوئے، جو سادات حسینی سے تعلق رکھتے تھے، جس کی تفصیل میں مولانا عبدالحلیم ساحل سلطان پوری رقم طراز ہیں:

"ان کے جداعلیٰ سید اسداللہ حسینی شاہ جہاں کے عہد میں وارد دکن ہوئے۔ وہ اس کاروان علم وعرفان کے ایک ممتاز فرد تھے جو اس زمانے میں دکن کے علاقے میں تبلیغ دین کے لیے آیا تھا۔ انہیں کی اولاد میں سید صادق شاہ حسینی جو سید شیر محمد حسینی کے فرزند ارجمند تھے بڑے پائے کے بزرگ اور مرجع خلائق صوفیا میں شمار ہوتے تھے، دکن میں حضرت سید محمد حسینی بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد اگر کوئی صوفی روحانیات کے فیوض وبرکات کو عام کرنے میں کامیاب ہوا تو وہ سید صادق شاہ حسینی تھے۔ ان کی روحانیت، تعلیمات اور اخلاقی اصلاحات کا مرکز بھی علاقۂ مہاراشٹر تھا۔" (مضمون "سید عبدالفتاح گلشن آبادی"، مشمولہ: نوائے ادب بمبئی، اپریل ۱۹۷۵ء)

مولانا عبدالحلیم ساحل کا یہ مضمون مذکورہ رسالے کے صفحہ ۵۴ تا ۶۳ پر موجود ہے۔

ڈاکٹر میمونہ دلوی نے اپنے پی، ایچ، ڈی کے تحقیقی مقالہ "بمبئی میں اردو" کے باب دوم: تذکرۂ شعرا ونثر نگار دور اول میں 'اشرف' کے عنوان سے لکھا ہے، اسی تذکرے میں فرماتی ہیں:

"اشرف کا پورا نام سید عبدالفتاح الحسنی القادری اور عرف اشرف علی ہے، ناسک کے شاہ صادق کی اولاد سے ہیں، شاہ صادق شاہ جہاں کے دور کے صوفی اور عالم تھے اور انھوں نے شاہ جہاں اور فوج کی دعوت کی تھی۔ اشرف کے والد کا نام سید عبداللہ حسینی پیرزادہ گلشن آبادی تھا، مذہب حنفی اور مشرب قادری تھا۔" (بمبئی میں اردو، ۱۹۱۴ء تک، مطبوعہ: مکتبہ جامعہ لیمیٹڈ، دہلی، ستمبر ۱۹۷۰ء ص: ۱۳۱، ۱۳۲)

ممدوح گرامی سید عبدالفتاح گلشن آبادی اپنے جداعلیٰ سید اسداللہ حسینی کی نویں اور سید صادق حسینی کی ساتویں اولاد میں ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے: سید عبدالفتاح گلشن آبادی ابن سید عبداللہ حسینی ابن سید زین العابدین ابن سید محی الدین ابن سید عبدالفتاح ابن سید شیر محمد حسینی ابن سید صادق حسینی ابن سید شیر محمد حسینی ابن سید اسداللہ حسینی۔ (نوائے ادب بمبئی، اپریل ۱۹۷۵ء ص: ۵۵)

ان کی ولادت ۱۲۳۴ھ میں اسی پیرزادہ خاندان میں ہوئی جو اپنی دین داری اور علم وفضل کے لیے کافی شہرت رکھتا تھا، جائے پیدائش اور ابتدائی تربیت گاہ ناسک ہے۔ جسے عہد عالم گیری (۱۰۶۷ھ/ ۱۶۵۸ء تا ۱۱۱۷ھ/ ۱۷۰۷ء) میں اس کے جغرافیائی محل وقوع اور فطری دل کش مناظر کے پیش نظر "گلشن آباد" کا نام دیا گیا۔ سادات حسینی ہونے کے باعث آپ کا خانوادہ شروع ہی سے دکن کے علاقے میں پیرزادہ خاندان کہلاتا تھا، جو شرافت نسب کا بھی گہوارہ تھا اور علم وفضل کے روحانی وعرفانی انوار کی آماج گاہ بھی اور اپنی علم دوستی اور اخلاقی بلندی کے لحاظ سے بھی متعارف ومشہور تھا۔ سید عبدالفتاح گلشن آبادی کی ابتدائی تعلیم وتربیت اسی علمی وروحانی ماحول میں ہوئی، ایک تو خاندانی ماحول کی ساز گاری اور دوسرے خود آپ کا فطری ذوق وشوق، جس نے مجموعی طور پر آپ کو کسب علم اور تحصیل فن کا ایسا خوگر وشیدا بنادیا کہ باہر کے علما ومشائخ کی بارگاہ علم میں زانوئے ادب تہ کرنے پر مجبور ہونا پڑا، اور پھر اس تراش خراش سے علم وفن کا جو جوہر دنیا

کے سامنے آیا اس نے نگاہوں کو خیرہ اور دلوں کو عقیدت و محبت کا آبگینہ بنا ڈالا۔ شیخ عبد الحئ لکھنوی نے اپنی کتاب "نزہۃ الخواطر" اور مولوی رحمان علی نے "تذکرہ علمائے ہند" میں آپ کے درج ذیل اساتذہ کے اسما گنائے ہیں: سید میاں سورتی، مولوی شاہ عالم بڑودوی، مولوی بشارت اللہ کابلی، مولوی عبد القیوم کابلی، مولوی بدر الدین کابلی، محمد عمر پشاوری، مولوی اشرف آخونزادہ، مولوی محمد صالح بخاری، مولوی محمد اسحاق محدث دہلوی، مفتی عبد القادر تھانوی (تھانہ، ممبئ) مولوی محمد اکبر کشمیری، مولانا خلیل الرحمن مصطفی آبادی، سیف اللہ المسلول علامہ شاہ فضل رسول بداونی اور مولانا سید محمد ابراہیم بالکظہ وغیرہ۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

(ملاحظہ کریں: تذکرہ علمائے ہند، مطبع نولکشور، ۱۹۱۴ء، ص:۱۲۶، ۱۲۷)

مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی اپنی مایہ ناز تصنیف "اکمل التاریخ" میں لکھتے ہیں:

"قاضی القضاۃ مولانا مولوی سید عبد الفتاح عرف اشرف علی حسنی حسینی نقوی گلشن آبادی ابن سید عبد اللہ حسینی۔ نواح ناسک خاندیش میں آپ فاضل اجل، عالم باعمل، مشاہیر علما میں شمار کیے جاتے ہیں، متعدّد علما سے اکتساب علم کیا، کتب متداولہ کی تکمیل ملا محمد اکبر شاہ کشمیری (خلیفہ حضرت اقدس قدس سرہ و معلم ابراہیم بالکظہ) سے بمبئ وغیرہ میں کی۔ تصوف و حدیث وغیرہ کی تکمیل حضرت اقدس (سیف اللہ المسلول) سے فرمائی۔" (اکمل التاریخ، مطبوعہ: تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں، جولائی ۲۰۱۳ء، ص:۱۸۵)

خیر الاذکیاء اور عربی واردو زبان کے مستند تذکرہ نگار، مصنف و محقق مولانا محمد احمد مصباحی سیف اللہ المسلول کے تلامذہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"قاضی القضاۃ الشیخ عبد الفتاح اشرف علی الحسنی الحسینی النقوی الگشن آبادی ابن الشیخ عبد اللہ الحسینی من اجلۃ العلماء المشاہیر بخاندیش من نواحی ناسک، لہ عدۃ تصانیف مثل التحفۃ المحمدیۃ فی الرد علی الوہابیۃ وجامع الفتاویٰ فی اربعۃ مجلدات وخزینۃ العلوم وتاریخ الاولیاء" (ترجمۃ فضل الرسول القادری البدایونی مشمولہ: المعتقد المنتقد، عربی، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئ، جون ۱۹۹۹ء، ص:۴۴۳)

تکمیل علوم کے بعد جذبۂ خدمت خلق اور فروغ علم و فن کی چاہت کے پیش نظر آپ نے مسند تدریس آراستہ کی اور کئی دہائیوں تک تشنگان علم و معرفت کو سیراب کرتے رہے، اس درمیان سرکاری ملازمت حاصل کرنے کے لیے مفتی گیری کا امتحان عربی زبان میں دیا اور اس میں کامیابی کی سند لی، سن ۱۸۵۶ء میں وہ دھولیہ (خاندیش) کی عدالت میں مفتی کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اسی عہدۂ عالیہ پر وہ ۱۸۵۶ء سے لے کر ۱۸۶۴ء تک رہے۔ سن ۱۸۸۴ء میں بمبئ کے اولین الفنسٹن کالج وہائی اسکول میں عربی اور فارسی کے استاد مقرر ہوئے۔ (مولانا عبد الحلیم ساحل، مضمون سید عبد الفتاح گلشن آبادی، مشمولہ: نوائے ادب، بمبئ، اپریل ۱۹۷۵ء)

یہاں آپ تدریس کے ساتھ تبلیغ مذہب حق اور تصنیف و تحقیق میں بھی ہمہ دم منہمک رہے اور اپنے علم و فن کی ایک اچھی شناخت بنانے میں کامیاب ہوئے، آپ کے تلامذہ میں مولوی سید نظام الدین، شیخ قطب الدین، قاضی سید بجو میاں خاندیشی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

لیکن بعد میں آپ نے سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے دیا، مولانا عبد الحلیم ساحل اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب ارباب کالج نے عربی و فارسی کی تدریس غیر ضروری یا انہیں اختیار مضامین کے زمرے میں شامل کر دیا تو وہ اس خدمت سے سبک دوش ہو گئے.....اس ملازمت سے علاحدگی کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے اپنے آبائی سلسلۂ ارشاد و تعلیمات پر زیادہ توجہ دینی شروع کر دی تھی اور تنگی وقت کے باعث وہ دیگر مشاغل کے ساتھ کالج کی پروفیسری پورے انہماک کے ساتھ نباہ نہیں سکتے تھے۔" (مضمون، سید عبد الفتاح گلشن آبادی، مشمولہ نوائے ادب، بمبئ، اپریل ۱۹۷۵ء)

حکومت ہند نے آپ کی علمی و منصبی خدمات کے اعتراف میں آپ کو "جسٹس آف پیس" اور "خان بہادر" کے خطاب واعزاز سے نوازا، اس اعزاز واکرام کا تذکرہ آپ کے تمام تذکرہ نویسوں نے کیا ہے۔ البتہ وجوہات کے بیان میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے، مولانا ضیاء القادری بدایونی کے مطابق اس کی وجہ علمی خدمات اور خاندانی وجاہت تھی۔ (اکمل التاریخ، مطبوعہ: تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں، جولائی ۲۰۱۳ء، ص:۱۸۵)

مولانا عبد الحلیم ساحل کا کہنا ہے کہ "مصنف کا خود بیان ہے کہ ان کی علمی و منصبی خدمات کا اعتراف حکومت ہند نے اس شکل میں کیا کہ انہیں اس اعزاز سے سرفراز کیا گیا۔ (نوائے ادب ممبئ اپریل ۱۹۷۵ء)

جب کہ مولانا خوشتر نورانی لکھتے ہیں کہ " ان کی علمی لیاقت اور

حسن کارکردگی کی وجہ سے یہ خطاب دیا گیا۔"

(علامہ فضل حق خیر آبادی: چند عنوانات، مطبوعہ: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۲۰۱۳ء، ص:۲۰۰)

اس سلسلے میں ایک آخری بات مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی لکھتے ہیں:

"حکومت کی یہ مہربانی (اعزاز وکرام) آپ برداشت نہیں کرسکے اور سارے مراتب ومناصب سے مستعفی ہوکر گلشن آباد (ناسک) میں آکر فروکش ہوگئے اور یکسو ہوکر خدمت دین متین میں جٹ گئے۔" (مقدمہ، دولت بے زوال وبرکت حال ومآل، ادارہ معارف اسلامی ممبئی، دسمبر ۲۰۱۳ء، ص:۱۱)

سید عبد الفتاح گلشن آبادی کو درس وتدریس کے شغل کے سوا تصنیف وتالیف کا بھی شوق تھا، فتویٰ نویسی بھی کرتے تھے، اعلیٰ پائے کے واعظ بھی تھے، آپ نے اپنی تصانیف اور فتاویٰ میں جہاں عقائد اہل سنت اور معمولات حقہ کا بڑے مہتم بالشان انداز میں تذکرہ فرمایا ہے وہیں فرقہ ضالہ وہابیہ دیابنہ کا رد وابطال بھی کیا ہے، آپ نے جملہ تذکرہ نگاروں نے آپ کو کثیر التصانیف بزرگ کی حیثیت سے یاد کیا ہے۔

مولانا ضیاء القادری بدایونی لکھتے ہیں:

"اکثر تصانیف مثل تحفہ محمدیہ فی رد وہابیہ، تائید الحق، جامع الفتاویٰ (چار جلد میں) خزینۃ العلوم، تاریخ الاولیاء، وغیرہ مطبوع ہوکر مشہور ہوچکی ہے۔" (اکمل التاریخ، بدایوں، جولائی ۲۰۱۳ء، ص:۱۸۵)

ڈاکٹر میمونہ دلوی خامہ فرسا ہیں:

"اشرف متعدّد کتابوں کے مصنف ومؤلف ہیں، جو اردو، فارسی اور عربی زبانوں میں ہیں، ان کی درسی کتابیں بمبئی کے مختلف مدرسوں اور کالجوں میں رائج تھیں اور ہر ایک کے کئی کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اشرف کی اردو تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

"خزانۂ دانش، تعلیم اللسان، تحفۂ محمدیہ، تائید الحق، صد حکایات، اشرف الانشاء، تحفۃ المقال، مصدر الافعال، رحمۃ للعالمین، تاریخ روم، تاریخ الاولیاء، دیوان اشرف الاشعار، باقیات الصالحات فی مولد اشرف المخلوقات، (یہ رسالہ مولود نبی اکرم ﷺ سے متعلق ہے) اشرف القوانین، (صرف ونحو کے بیان میں ۵۴ صفحات کی ایک کتاب ہے) اظہار الحق، تاریخ افغانستان، رسالہ جغرافیہ، سراج الہدایہ، دولت بے زوال کی چار جلدیں، دیوان نعتیہ، مولود الشریف، مجلس لیلۃ القدر مسمی بہ اشرف المجالس، اور جامع الفتاویٰ کے نام سے ایک اور کتاب لکھی ہے، جس میں نکاح، طلاق، میراث، ہبہ، وغیرہ مسائل پر بحث کی ہے، یہ کتاب چار جلدوں میں ہے۔ فارسی تصانیف (میں) کلید دانش، قوانین صغیر، قوانین کبیر، دیوان قصائد۔ عربی تصانیف (میں) خزینۃ العلوم کی جلد اول، جلد دوم، جلد سوم مع اردو ترجمہ۔ ہندی تصانیف (میں) کلید دانش۔ درسی (کتب میں) پہلی کتاب، دوسری کتاب، تیسری کتاب، یہ کتابیں سرکاری مدرسوں میں رائج تھیں۔" (بمبئی میں اردو، ۱۹۱۴ء تک، مطبوعہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی ستمبر ۱۹۷۰ء ص:۱۳۲، ۱۳۳)

آگے مصنفہ نے رسالہ تائید الحق، دولت بے زوال اور خزینۂ دانش کا مختصر تعارف بھی کرایا ہے۔ خزینۂ دانش کے تذکرے میں رقم طراز ہیں:

"اشرف نے ۱۲۸۳ھ/۱۹۰۵ء میں ۴۳۵ صفحات پر مشتمل ایک نصابی کتاب تالیف کی تھی، جس میں کل ۵۶، اسباق ہیں، اس کتاب میں انگریزی حکایتوں کا ترجمہ، تاریخ، جغرافیہ، سائنس، نباتات، حیوانات سے متعلق معلوماتی مضامین اور مشاہیر عالم کی سیرت وغیرہ درج ہیں۔" (ایضاً، ص:۱۳۴)

اسی مقالے کی ابتدا "میں اشرف علی" نام پر حاشیہ لگاتے ہوئے مصنفہ نے لکھا ہے:

"گارساد تاسی نے ہندوستانی ادب کی تاریخ (فرانسیسی) کے ص: ۲۴۵ پر بمبئی کے ایک شاعر اشرف علی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اشرف علی نے ۱۸۶۷ء میں ابتدائی کتاب ہندوستانی زبان میں شائع کی، جو تعلیم سے متعلق ہے۔" (حاشیہ، بمبئی میں اردو، ۱۹۱۴ء تک، مطبوعہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی، ستمبر ۱۹۷۰ء ص:۱۳۱)

سید عبد الفتاح گلشن آبادی فارسی اور اردو زبان کے ایک قادرالکلام شاعر بھی تھے، جیسا کہ ان کے اردو اور فارسی دواوین (دیوان اشرف الاشعار اور دیوان قصائد) سے عیاں ہے۔ ڈاکٹر میمونہ دلوی نے اپنی کتاب کے باب دوم میں دور اول کے شعرائے بمبئی کے تحت ان کا تذکرہ بڑے تحسین آمیز الفاظ میں کیا ہے۔ فرماتی ہیں:

"سید عبد الفتاح کو شعروشاعری سے بھی دل چسپی تھی، اشرف تخلص رکھتے تھے، شعری سرمایہ "دیوان اشرف" اور "بیاض اشرف" کے نام سے یادگار چھوڑا ہے۔ دیوان اشرف الاشعار: اشرف کا یہ دیوان

۱۲۷۹ھ میں مرتب ہوا تھا، اس میں غزلیات، نعت اور مناقب شامل ہیں، اس کے علاوہ اشرف المجالس کے نام سے سورۂ قدر کی منظوم تفسیر بھی دی گئی ہے، یہ دیوان اب نایاب ہے، اس کا تذکرہ کریمی لائبریری کی فہرست کتب میں موجود ہے۔ بیاض اشرفؔ: اشرفؔ کا یہ خودنوشت مجموعہ کتب خانہ مدرسہ محمدیہ میں موجود ہے، جس میں دس اردو اور دس فارسی قصائد ہیں، اشرفؔ نے یہ قصائد اپنے دیوان سے نقل کرکے مولانا محمد صدیق ملتانی ثم احمد نگری کی خدمت میں بھیجے تھے۔ اس مخطوطہ میں اشرفؔ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک خط بھی شامل ہے جو مولانا کے نام ہے۔ یہ مخطوطہ ۱۲۸۲ھ میں دھولیہ میں تحریر کیا گیا تھا۔ بیاض اشرفؔ کا پہلا قصیدہ مشہور عربی قصیدہ "قصیدہ بردہ" کا اردو ترجمہ ہے، اس میں کل ۶۹، ابیات ہیں۔ دوسرا قصیدہ مطلع دیوان مہندی کے نام سے ہے، جس میں نعت، منقبت اور مدح اصحاب کبار ہے، اس میں کل ۹۸، ابیات ہیں۔ تیسرا قصیدہ قصیدۂ صنعت حرفین کے نام سے ہے، اس میں کل ۱۹، ابیات ہیں، اسی طرح آخری قصیدہ دیوان قصائد اشرفؔ کی تاریخ سے متعلق ہے، یہ گیارہ بیت پر مشتمل ہے، جن سے دیوان اشرف کے سنہ تصنیف پر روشنی پڑتی ہے۔

بیاض اس کی مقدس اور شعر ہے طور کا ہر حرف
نہاں ہے روشنائی میں تجلا سنگ اسود کا
ترا ممدوح ہے محبوب حق اور نعت ہے مقبول
صلہ جنت میں ہے تجھ کو محل لعل و زمرد کا
مرتب جب ہوا دیوان مدح احمدی اشرفؔ
کہا ہاتف نے یہ ہے "اشرف الاشعار" سید کا

(بمبئی میں اردو، ۱۹۱۴ء تک، مطبوعہ: مکتبہ جامعہ لیمیٹڈ، دہلی، ستمبر ۱۹۷۰ء ص: ۱۱۳، ۱۱۲)

"اشرف الاشعار" سے سنہ تصنیف ۱۲۷۹ھ برآمد ہوتا ہے۔

سید عبدالفتاح گلشن آبادی نے عقائد وافکار اہل سنت کو موضوع بنایا ہے، اور اس موضوع سے متعلق مباحث کو دلائل وبراہین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ بدمذہبوں کے رد وابطال کا یہ رنگ آپ کی تقاریر ومواعظ میں بھی دکھائی دیتا تھا اور آپ کے فتاویٰ میں بھی اس کے نشانات جگہ جگہ نظر آتے تھے۔ سید عبدالفتاح گلشن آبادی بمبئی کے ایک قدیم محلے "جاملی محلہ" میں سکونت رکھتے تھے، اس محلے میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد رہائش پذیر تھی، یہ محلہ آج بھی اسی نام سے موجود ہے، آپ نے کچھ عرصہ بمبئی کے محلہ "گوری ملا" میں بھی قیام کیا تھا۔ اس کے علاوہ بمبئی میں قیام کے دوران ناریل واڑی کو بھی اپنی عارضی قیام گاہ بنایا تھا، اس جگہ مسلمانوں کے کئی خاندان آباد تھے۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں بیٹھ کر آپ تصنیف وتالیف، فتویٰ نویسی، تبلیغ مذہب حق اور فروغ علم وفن کا گراں قدر کام بہ حسن وخوبی انجام دیا کرتے تھے، اس سلسلے میں مولانا عبدالحلیم ساحل رقم طراز ہیں:

"جن دنوں میں سید عبدالفتاح وہاں قیام پذیر تھے وہ زمانہ بمبئی کے مسلمانوں کے لیے بڑا ہی پر آشوب تھا۔ وہ مسلمانوں کے درمیان عقائدی بحثوں، مناظروں اور معرکہ آرائیوں کا دور تھا، فرقہ وہابیہ کے مقابل اہل سنت وجماعت کے علما وفضلا نبرد آزما رہتے تھے، اور مولوی سید عبدالفتاح ان کی قیادت کیا کرتے اور اس زمانے کے جید علما میں شمار ہوتے تھے، جامعہ الفتاویٰ کی ورق گردانی سے اس بیان کے بڑے روشن ثبوت مل سکتے ہیں۔"

(سید عبدالفتاح گلشن آبادی، مشمولہ نوائے ادب بمبئی، اپریل ۱۹۷۵ء)

اس اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ سید عبدالفتاح گلشن آبادی اس زمانے میں سرزمین بمبئی کے اندر فرقہ وہابیہ دیابنہ کے مقابل محاذ قائم کرنے والا علما وفضلائے اہل سنت کے سرخیل وقافلہ سالار تھے اور شاید اسی زمانے میں آپ نے "تحفہ محمدیہ فی رد فرقۂ مرتدیہ" نامی کتاب تصنیف کی تھی جس میں فرقہائے باطلہ کا رد بلیغ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب پہلی بار کریمی پریس، بمبئی سے طبع ہوئی تھی، جس میں خود مصنف نے اپنا ذاتی صرفہ برداشت کیا تھا۔ اس کے بعد بھی اس کتاب کے کئی ایڈیشن نکلے اور عوام وخواص اہل سنت نے اسے حرز جاں بنایا اور اپنے ایمان وعقیدے کا تحفظ کیا۔ تحفہ محمدیہ کی شرح علامہ قاضی عبدالقدوس حنفی قادری بنگلوری نے تحریر کی ہے اور بعد کی اشاعت میں مفید اضافے مفسر اعظم علامہ ابراہیم رضا جیلانی بریلوی نے کیے ہیں۔ ۱۴۲۹ء/ ۲۰۰۸ء میں مفتی محمد اشرف رضا قادری، ممبئی کی ذاتی دل چسپی اور خواہش پر مطبوعہ قدیم نسخہ کو بنیاد بنا کر نئی کمپوزنگ اور تصحیح کے ساتھ شاہ صادق اکیڈمی ناسک (مہاراشٹر) نے اسے طبع کرایا، یہ نسخہ ۲۹۶ صفحات پر مشتمل نہایت اہتمام سے مجلد شائع کیا ہے اور اس وقت راقم سطور کے پیش نظر ہے۔

اسی کتاب میں ایک جگہ اس موضوع کو اٹھا کر یہ ذیلی عنوان قائم

کیا ہے : ''معمورۂ بمبئی میں ان لوگوں نے جو فتنہ کیا اس کے بیان میں''۔ اور اس کے تحت سرزمین بمبئی میں اس وقت سر ابھارنے والے فتنۂ وہابیت اور عقائد و معمولات اہل سنت پر وارد کیے جانے والے اعتراضات اور شبہات کی جانب اشارہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں :

''۱۲۴۵ہجریہ مقدسہ میں مولوی ولایت علی عظیم آبادی خلیفہ سید احمد صاحب کا یہاں آیا اور نئی بدعتیں برپا کیں ، یہاں کے رئیس دین دار لوگ مسلمان ہمیشہ مولود شریف کی مجلسیں کرتے ہیں ، خصوص ربیع الاول کے مہینے میں ہر ایک رئیس کے یہاں نیاز کے کھانے پکتے ہیں ، ہزاروں آدمی فیض پاتے ، بلکہ شادی غمی میں بھی مولود شریف کی مجلس ہوتی ہے ، نعت کے قصیدے پڑھے جاتے ہیں اور آں حضرت ﷺ کی کمال محبت سے جو ایمان کا شعبہ بلکہ عین ایمان ہے سلام کے وقت سب مجلس کے آدمی تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مولود شریف کی مجلس ہمیشہ دہلی میں بڑی دھوم دھام سے کیا کرتے تھے ، یہ بات مشہور تھی ۔ مگر مولوی ولایت علی مذکور نے ان کاموں کو برا کہنا شروع کیا ، آخر بلوائے عام ہوا ، حضرت مولوی عصام الدین صاحب اور حضرت مولوی روح اللہ صاحب اور حضرت مولوی محمد صالح بخاری صاحب رحمہم اللہ کی سعی اور کوشش سے یہ فساد مٹ گیا اور ولایت علی یہاں سے شباشب (راتوں رات) بھاگ گیا۔'' (تحفۂ محمدیہ فی رد فرقہ مرتدیہ، مطبوعہ شاہ صادق اکیڈمی، ناسک، ۲۰۰۸ء ص:۳۵)

اس کے بعد ایک دوسرے فسادی مولوی سلیمان کا مقدمہ بیان کیا ہے جس نے ۱۲۶۴ھ میں ہانڈی والی مسجد ، بمبئی ۳ میں وعظ کے دوران کئی باتیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اہانت کی کہیں ، اس کا بھی تعاقب کیا گیا ، جس کی وجہ سے اسے بھی یہاں سے راہ فرار اختیار کرنا پڑا۔ ۵ ذوقعدہ ۱۲۶۴ھ کو مجمع الاخبار ، بمبئی میں اس مقدمے کی خبر نمایاں انداز میں شائع کی گئی ۔ خبر کی تفصیل بھی اسی کتاب میں دی گئی ہے۔ (ملاحظہ کریں مذکورہ کتاب ، ص:۳۶)

آپ کی ایک اور اہم کتاب ''دولت بے زوال و برکت حال مآل'' ہے ۔ اس کتاب مستطاب میں اسباب مفلسی کے ایک سو مسائل درج ہیں جن سے پرہیز لازم ، ساتھ ہی ایک سو فوائد تونگری کے مرقوم ہیں جن پر عمل ضروری ہے ، یہ کتاب پہلی بار مطبع کریمی ، بائیکلہ ، بمبئی میں چھپ کر ۱۳۵۰ھ کو شائع ہوئی تھی ۔ جس کا تازہ ایڈیشن ۱۲۸ صفحات پر مولانا سید رضوان رفاعی شافعی کی توجہ خاص سے جون ۲۰۱۳ء میں مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی کی تسہیل و ترتیب کے ساتھ ناسک سے شائع کیا گیا۔ اور بعد میں ادارہ معارف اسلامی ، ممبئی نے دسمبر ۲۰۱۳ء میں یہی نسخہ طبع کرا کے عام کیا۔ یہ اپنے موضوع پر بالکل منفرد اور بے مثال کتاب ہے ، جس کا مطالعہ بہت سارے حقائق سے پردہ اٹھاتا ہے اور فکر و عمل پر آمادہ کرتا ہے ۔ یہ کتاب ہر انسان کو ایک بار ضرور پڑھ لینی چاہیے۔

آپ کے ایک اہم اور تاریخی قلمی کام ''ترجمہ قصیدہ بردہ'' پر کریمی لائبریری ، ممبئی میں ریسرچ پروفیسر محترمہ سعیدہ پٹیل صاحبہ نے ''سید عبدالفتاح گلشن آبادی اور قصیدہ بردہ کے ترجمے کا تحقیقی جائزہ'' کے نام سے ایک تحقیق و تجزیاتی مقالہ قلم بند کیا ہے جو عن قریب کریمی لائبریری انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ، وی ی ٹی اسٹیشن ممبئی سے مطبوع ہو کر منظر عام پر آنے والا ہے ، راقم کی خواہش پر مقالہ نگار نے اپنا مسودہ دکھایا جو اپنے موضوع پر ایک جامع کتاب ہے ۔ ضرورت ہے کہ ان کی دیگر تصانیف کو جدید رنگ و آہنگ کے ساتھ شائع کیا جائے تاکہ ہماری نئی نسل ان سے استفادہ کر سکے ۔

یہاں رک کر ہم ایک اور حقیقت سے پردہ اٹھادیں وہ یہ کہ جس وقت تحریک ندوہ کا طوفان جماعت اہل سنت کے مذہبی سفینے پر شب خون مارنے کی پوری تیاری میں تھا اور انجانے میں بہت سارے لوگ اسے ایک دین آشنا اور صالح قدروں پر مبنی تحریک سمجھ کر اس کا ساتھ دینے کو تیار ہو گئے تھے لیکن بعد میں ندوہ کے مفاسد و نقصانات سے آگاہ ہوئے تو اس سے علاحدہ ہو گئے ، اس موضوع پر ''تذکرۂ محدث سورتی'' مطبوعہ رضا اکیڈمی ، ممبئی کا مطالعہ خالی از دل چسپی نہ ہوگا۔ جس میں تحریک ندوہ پر صاحب کتاب ڈاکٹر رضی حیدر نے تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

سید عبدالفتاح گلشن آبادی بھی ابتدا میں تحریک ندوہ کے خاص اراکین میں تھے لیکن مجدد اعظم فقیہ اسلام امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی تنبیہ اور کشف حقائق کے بعد وہ اس سے یک لخت الگ ہو گئے اور سارے رشتے منقطع کر لیے۔ اس سلسلے میں استاذ زمن مولانا حسن رضا بریلوی رقم طراز ہیں:

''نیز بتوفیق الٰہی جناب مفتی مولوی سید عبدالفتاح صاحب حسینی گلشن آبادی .....(باقی ص:۴۸ پر)

حق دفاع کے بہانے فلسطینیوں کی نسل کشی

صابر رضا رہبر

سخت حیرت کا مقام ہے کہ غزہ میں جاری اسرائیل کی وحشیانہ یورش کو امریکہ اور اقوام متحدہ حق دفاع سے تعبیر کر رہا ہے

عصبیت کا عینک بھی عجیب ہے، جس کی آنکھوں پر چڑھ جائے اس کیلیے سچ اور جھوٹ میں فرق کرنا بڑا مشکل ہوجاتا ہے کیوں کہ وہ بصیرت وبصارت کی دولتوں سے محروم ہوجاتا ہے پھر اسے ہر نقشہ الٹا نظر آنے لگتا ہے ۔ظالم ،مظلوم اور مظلوم اسے ظالم دکھائی دیتا ہے۔ اگر میری باتوں پر یقین نہ آئے تو غزہ میں اسرائیل کی وحشیانہ یورش سے متعلق امریکی صدر باراک اوبامہ اور اقوام متحدہ کے سیاسی امور کے سربراہ جیفری فیلٹ مین کے بیان پر ایک نظر ڈالیے! باراک اوبامہ نوبل انعام برائے امن سے نوازے جاچکے ہیں لیکن ان کا کہنا ہے کہ ہم اسرائیل سے اس کا حق دفاع نہیں چھین سکتے انہوں نے جمعہ کو اسرائیلی وزیراعظم نتن یاہو سے بات کرتے ہوئے کہا کہ حماس کے ٹھکانوں کو نشانہ بنائیں جب کہ فیلٹ مین کا کہنا ہے کہ ’اسرائیل کے سکیورٹی خدشات بجا ہیں اور ہم غزہ سے اسرائیل میں اندھا دھند راکٹ برسانے کی مذمت کرتے ہیں لیکن ہم اسرائیل کے اس زبردست جواب سے خطرہ محسوس کرتے ہیں۔‘

دیکھ رہے ہیں آپ عصبیت کی کرشمہ سازی !اسرائیل غزہ میں بے گناہ فلسطینیوں کی نسل کشی پر آمادہ ہے زمینی وفضائی کارروائی کے ذریعہ بچوں اور بے گناہ شہریوں کی لاشیں بچھا رہا ہے، صرف ایک دن فضائی حملوں میں اشجاعیہ کی سڑکیں لاشوں سے بھر گئیں لیکن امن کے ٹھیکے دار اسے حق دفاع سے تعبیر کر رہے ہیں ۔کہیں ایسا تو نہیں کہ اسرائیل نواز اور اسلام دشمن طاقتیں فلسطینیوں کی نسل کشی پر متفق ہوگئی ہیں اور حق دفاع کے بہانے اسرائیل کو قتل عام کی کھلی چھوٹ دیدی گئی ہے اگر ایسا ہے تو پھر یہ بھی ذہن نشیں کرلینی چاہیے کہ مظلوموں کے خون کی سرخی رنگ لاکر رہے گی اور دنیا کو اس کی بھاری قیمت چکانی پڑسکتی ہے۔آخر یہ کیسا حق دفاع ہے جس کے ذریعہ بے گناہوں کا خون کیا جارہا ہے، بچوں اور عورتوں کی لاشیں گرائی جارہی ہیں جب کہ حماس جو مغربی دنیا کی نگاہ میں دہشت گرد تنظیم ہے؛ کے حملوں کی شدت کے ساتھ مذمت کی جارہی ہے اس کے حملوں میں اب تک محض ایک بدو اسرائیلی کی موت ہوئی ہے لیکن امریکہ اور اقوام متحدہ کے سیاسی امور کے سربراہ کی نظر میں اسی کے حملے لائق مذمت ہے۔میں قتل وغارت کی کسی طور وکالت نہیں کرسکتا لیکن ایک معاملہ دوہرے معیار ہرگز قابل قبول نہیں ہوسکتے۔

اسرائیل کی جانب سے اشجاعیہ کالونی کو مسلسل نشانہ بنانے کی وجہ سے سڑکوں پر لاشیں بکھری پڑی ہیں جبکہ سیکڑوں زخمی علاج کے منتظر ہیں۔ اسرائیلی سرحد کے قریب اور مسلسل بمباری کے باعث علاقے میں ایمبولینس گاڑیاں نہیں پہنچ پارہیں۔ایمرجنسی سروس اداروں کا کہنا ہے موجودہ صورتحال میں بہت سے فلسطینیوں کے شہید اور زخمی ہونے کا امکان ہے۔اسرائیلی فوج نے غزہ کے وسطی علاقوں البریج، المغازی اور شمالی کالونی الترکمان، الجدیدہ اور الشجاعیہ کالونیوں کے باشندوں کو علاقہ چھوڑ دینے کے لیے کہا تھا۔ غزہ کی پٹی ۳۶۲ مربع کلومیٹر پر محیط دنیا کا سب سے زیادہ آبادی والا علاقہ ہے جس میں اٹھارہ لاکھ افراد مسلسل مشکلات میں زندگی گذارنے پر مجبور ہیں۔

گزشتہ دنوں وہائٹ ہاؤس میں مسلم سفرا سے باراک اوبامہ کے خطاب سے بھی دنیا کے امن پسند عوام کے توقعات کو زبردست دھچکا لگا۔ صدر اوبامہ نے غزہ پر اسرائیلی حملوں کو بالوسطہ طور پر جائز اور دفاعی ضرورت کا حق دے دیا ۔اوبامانے غزہ پر اسرائیلی بمباری کو اس کا حق قرار دیتے ہوئے کہا امریکہ کا نصب العین اسرائیلیوں اور فلسطینیوں دونوں کے لیے امن اور سلامتی ہے۔ انہوں نے کہا فلسطینیوں کا جاں بحق اور زخمی ہونا ایک المیہ ہے۔ اگرچہ اوبامہ نے اسرائیلی حملوں کو ناقابل معافی بھی قرار دیا لیکن اسے روکنے کے لیے کسی حکمت عملی کو اپنائے جانے کے تعلق سے خاموشی اختیار کی۔ مجھے سخت حیرت ہے کہ فلسطین میں جاری قتل عام کو امریکی صدر حق دفاع سے تعبیر کر رہے ہیں اگر حق دفاع کا مفہوم یہی ہے کہ بے گناہ شہریوں کو انسانی لہو میں غرق کردیا جائے تو جارحیت اور انتہا پسندی کی تعبیر آپ کی نظر میں کیا ہوگی؟

تین اسرائیلی لڑکیوں کا اغوا اور پھر ان کی موت کے بعد اسرائیل نے جنونی دہشت گردی کی طرح فلسطین پر بموں اور راکٹوں کی یلغار شروع کردی ہے اور وہ انسانیت کی ساری حدوں کو پار کرتے ہوئے اب بے گناہ شہریوں کی جان لینے پر تلا ہوا ہے۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق اسرائیلی حملوں میں مارے گئے افراد میں سے ایک تہائی کا تعلق عام شہری سے ہے۔لیکن پوری دنیا حیرت انگیز طور پر خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ اقوام متحدہ نے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی سے آنکھیں پھیر لی ہیں اور اسرائیل کی دہشت گردی کو لگام دینے کے لیے کسی ٹھوس کارروائی کے بجائے فقط اپیل اور زبانی جمع خرچ کرنے پر اکتفا کر رہی ہے۔امریکہ کے ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملہ کے بعد سے اقوام متحدہ کی

سب ایڈیٹر روزنامہ انقلاب پٹنہ
rahbarmisbahi@gmail.com

پالیسی میں جو تبدیلی آئی ہے اس سے اب یہ سمجھنا کوئی مشکل نہیں رہ گیا ہے کہ وہ اب اسرائیل اور امریکہ کا دم چھلہ بن کر رہ گیا ہے۔ عراق وافغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ پاکستان میں امریکن ڈرون حملے روزانہ بے گناہ افراد کی زندگی چھین رہے ہیں۔ شام اور مصر میں انسانی لاشوں پر آنسو بہانے والا کوئی نہیں فلسطین، میانمار، وسط افریقہ جمہوریہ میں جانوروں کی طرح مسلمانوں کو تہ تیغ کیا جارہا ہے لیکن اقوام متحدہ کے ذمہ داران کا کلیجہ اس لیے منہ کو نہیں آرہا ہے کہ کیوں کہ یہ سب صہیونی پالیسی کا حصہ ہے۔

سوشل میڈیا کے توسط سے فلسطین میں اسرائیل درندگی کی جو تصویریں چھن کر آرہی ہیں انھیں دیکھ کر پتھر دل بھی پسیج جاتا ہے پھر امن عالم کے ٹھیکے داروں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ اسرائیل کی وحشیانہ بمباری کو روکنے کیلیے ٹھوس اقدام نہیں کررہے ہیں۔ فلسطینیوں پر جاری حملوں کے درمیان پوری دنیا کی حیرت انگیز خاموشی نے مظلوم فلسطینیوں کے علاوہ امن پسند عوام کو سخت مایوس کیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر حقوق انسانی کی دہائی دے کر محاذ سنبھالنے والی حقوق انسانی کی تنظیموں کو بھی سانپ سونگھ گیا ہے۔ یہ سب دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ اسرائیل کے اس رقص شیطانی میں سبھی کی حمایت حاصل ہے کیوں کہ ظلم کے خلاف آواز بلند نہ کرنا بھی ظلم کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔

قبلہ اوّل کی حرمت کی پاسبانی کے لیے آئے دن اسرائیلی فوجیوں سے لوہا لینے والے نہتے فلسطینیوں پر جب براوقت آیا ہے غیر تو غیر اپنوں کی زبان سے بھی تسلی کے دولفظ نہیں نکل رہے ہیں۔ ایک ترکی کے وزیراعظم طیب ارگان کے علاوہ عالم عرب کے کسی سربراہ نے کوئی اقدام نہیں کیا ہے۔ ماناکہ سربراہان عرب ممالک کو اسرائیل کی ناراضگی روا نہیں لیکن بے گناہ مسلمانوں کا خون وہ کیسے برداشت کرسکتے ہیں۔ فلسطینیوں کے زخم پر مرہم رکھتے ہوئے جنگ بندی کے لیے اسرائیل کو مجبور تو کرسکتے ہیں لیکن اب تک ایسا کچھ بھی نہیں ہوسکا ہے۔ ہاں ترکی وزیراعظم رجب طیب ایردوان کی ہمدردی فلسطینیوں کے ساتھ ہے اور انہوں نے سفارتی سطح سے اسرائیلی درندگی کو لگام دینے کی کوششوں میں مصروف ہیں خدا کرے ان کی محنت رنگ لائے۔

۱۹۴۸ء میں جب فلسطین کی سرزمین غصب کرکے اسرائیل ریاست کی بناڈالی گئی تب ہی سے فلسطینیوں کی نسل کشی کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا آج نوبت یہاں تک آگئی ہے کہ فلسطین کے شہریوں کو اپنی ہی زمین سے بے دخل کرنے کا سلسلہ زور پکڑ لیا ہے۔ اسرائیل کی گندی پالیسی کو امریکہ اور برطانیہ سمیت دیگر نام نہاد امن کے ٹھیکے دار سمجھنے جانے والے ممالک کی حمایت حاصل رہی ہے ناگزیر حالات میں کبھی اسرائیل کی سرگرمیوں کے خلاف ان ممالک کی جانب سے تنقیدیں بھی سامنے آئیں تو کبھی اس کا لہجہ اتنا کمزور ہوتا تھا کہ اس میں بھی اسرائیل کی پس پشت ہمدردی کی جھلک ہوتی تھی اور کبھی اسرائیل ہی انگوٹھا دکھا کر اسے مسترد کرتا رہا۔

فلسطین میں جاری اسرائیل کی وحشیانہ کارروائیوں کی تصویریں دیکھ کر مجھے ہٹلر کی وہ بات یاد آتی ہے جب اس نے ایک موقع پر کہا تھا کہ میں چاہتا تو سارے یہودیوں کا قتل کردیتا لیکن ان میں سے کچھ کو اس لیے چھوڑ دے رہا ہوں تاکہ دنیا یہ سمجھ سکے کہ میں نے انہیں کیوں قتل کیا تھا۔ آج اسرائیل کی سرکشی دیکھ کر ہر انسانیت پسند یہ آروز کررہا ہوگا کہ کاش ہٹلر ایک بھی یہودی کو نہ چھوڑا ہوتا تو دنیا آج جنت ہوتی۔

امریکہ کے ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملہ سے لے کر پوری دنیا میں ہونے والے دہشت گردانہ حملوں کا باریکی سے جائزہ لیں تو اس کے پیچھے آپ کو صہیونی لابی کارفرما نظر آئے گی یعنی بہ الفاظ دیگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں جاری دہشت گردانہ کارروائیوں کو انجام دینے والی قوم اسرائیل ہے۔

چوں کہ میڈیا پر پورے طور سے یہودیوں کا کنٹرول ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے نیوز سینٹر اور میڈیا پر اسی قوم کا تسلط ہے اور پھر یہ قوم فطری طور پر کسی کی کمزورنس پکڑ کر اس کا استحصال کرنے میں ماہر ہے۔ بس اسی کے سہارے آج وہ پورے عالم میں رقص ابلیسی کی محفل سجائے ہوئے ہے لیکن کوئی بھی طاقت مٹھی بھر یہودیوں کو لگام دینے میں کامیاب نہیں ہو پارہی ہے۔ یہودیوں نے خصوصی طور پر عالم عرب کے سربراہان کو بڑی چالاکی کے ساتھ اپنے دام میں پھنسالیا ہے۔ قرآن کریم میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ یہودی تمھارے دوست نہیں ہوسکتے وہ تمھارا کھلا دشمن ہے اس کے باوجود سربراہان مسلم ممالک اسرائیل سے اپنی دوستی گہری کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ دوستی کا عبرتناک نتیجہ ماضی سے لے کر حال تک دیکھنے کے باوجود کوئی سبق لینے سے ہنوز قاصر ہیں۔

آج فلسطین کے عوام کو مجاہدین کی یاد بڑی شدت کے ساتھ آرہی ہوں گی لیکن ان کے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز دور دور تک سنائی نہیں پڑرہا ہے۔ کبھی امریکہ تو کبھی برطانیہ کے خلاف جہاد کا اعلان کرکے اسلام کے نظام جہاد کو بدنام کرنے والے طالبان، القاعدہ اور عراق وشام میں مسلمانوں کی لاشیں گرانے والے جہادی تنظیم داعش کے مجاہدوں اور ان کے لاؤلشکر کی رگوں سے خون خشک ہوگئے ہیں۔ عراق اور شام میں مسلمانوں کے خلاف جہاد فرض ہے لیکن فلسطین کے نہتے مسلمانوں کا خون بہانے والے اور قبلہ اول کی حرمت کو پامال کرنے والوں کے خلاف ان کی نظر میں جہاد کیوں نہیں ضروری ہے۔

یہ ناداں گرگئے سجدے میں جب وقت قیام آیا

اقوام متحدہ اور امریکہ سے یہ سوال ضرور کیا جانا چاہئے کہ اگر اسرائیل پر اسی طرح فلسطین کی جانب سے وحشیانہ بم باری اور راکٹوں کے حملے کیے جاتے تو ان کا رویہ اتنا ہی پچیلا ہوتا؟ اور پوری دنیا اسی قدر چین کی نیند سو رہی ہوتی؟ اگر نہیں تو پھر انسانی خون میں سفیدی کی رمق آنے سے قبل فلسطینیوں کی نسل کشی کا سلسلہ روکنے کے لیے جلد از جلد ٹھوس کارروائی کیوں نہیں کی جاتی؟ ☆☆☆☆

جارحانہ قوم پرستی اور مسلمان

ممتاز عالم مصباحی

آزاد ہندوستان میں جارحانہ قوم پرستی بہت اندوہناک اورسنگین مسئلہ ہے، کیوں کہ اسی کے سبب فرقہ وارانہ فسادات اور دیگر بہت سے قومی مسائل وجود میں آتے ہیں۔ ہر چند کہ جارح اور فاشسٹ نظریات کی حامل مذہبی تنظیمیں آزادی سے قبل بھی اس ملک میں موجود تھیں، یہ اور بات ہے کہ تحریکِ آزادی کی وجہ سے ان کی جارحانہ پالیسی کافی حد تک دبی رہی، جو آزادی اور تقسیم ہند کے بعد شعلۂ جوالہ بن کر سامنے آئی، جس کی پاداش میں آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی زندگی کے لالے پڑ گئے اور ہر طرف خوف و ہراس اور نفسانفسی کا ماحول بن گیا۔ ان تنظیموں سے شہ پاکر انھیں کے نظریات پر کاربند دیگر اور بھی متعدّد مسلم دشمن تنظیمیں وجود میں آئیں اور اس کے ساتھ ہی آزاد ہندوستان میں مسلم دشمنی، نفرت انگیزی اور جارحانہ قوم پرستی کی تحریک پورے شد ومد کے ساتھ شروع کر دی گئی جس کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے، بلکہ سنگھ پریوار کے چہیتے اور بی جے پی کے وزیر اعظم نریندر مودی کی سخت ترین جارحانہ سیاست اور گجرات کارڈ نے جارحانہ قوم پرستی کی اس تحریک میں نئی روح پھونک دی ہے۔

آزاد ہندوستان میں جارحانہ قوم پرستی اور اس کے اسباب ومحرکات پر تبصرہ کرنے سے قبل قوم پرستی، اس کی تاریخ، پس منظر اور بین الاقوامی منظر نامے پر تھوڑی سے روشنی ڈالی جارہی ہے تاکہ اس کے تناظر میں ہندوستان کی جارحانہ قوم پرستی کی سنگینی خوب اچھی طرح واضح ہوجائے۔

قوم پرستی کیا چیز ہے؟ ایک نیشن (Nation) یا قوم کے جذبے کو قوم پرستی یا نیشنل ازم (Nationalism) کہا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا روحانی جذبہ ہے جو لوگوں کے کسی گروہ کو مشترکہ کلچر، مشترکہ روایتوں اور مشترکہ اداروں کے ذریعہ ایک لڑی میں پرو کر رکھتا ہے۔ ملک، قومی اداروں، روایتوں اور کلچر سے وفاداری اور ربط و لگاؤ کی صورت میں اس جذبے کا اظہار ہوتا ہے۔ آج کی دنیا میں یہ ایک بہت بڑی طاقت ہے، دورِ حاضر کی بااقتدار قومی مملکتیں (Nation States) اسی کی مرہونِ منت ہیں اور اسی جذبے سے سرشار ہوکر قومیں اپنی آزاد اور خود مختار ریاستیں قائم کرتی ہیں یا ان کے لیے تحریک چلاتی ہیں تاکہ وہ اپنی قومی روایتوں، قومی کلچر اور مفاد کو پورے طور سے ترقی دے سکیں۔ ایشیا اور افریقہ کے محکوم ممالک کے لوگوں نے اسی جذبے کے تحت آزادی کی تحریکیں چلائیں اور بالآخر اسی کی بدولت یہ ممالک آزاد ہوئے۔ سامراج اور نوآبادیات (Colonialism) کی وجہ بھی یہی قوم پرستی یا نیشنل ازم ہے۔

قوم پرستی نے بین الاقوامی سطح پر یہ ثابت کیا ہے کہ دنیا میں کوئی بھی قوم اسی صورت میں ترقی کر سکتی ہے جب وہ آزاد ہو اور مرضی کے مطابق زندگی گزارتی ہو، کیوں کہ محکوم قومیں دنیا کی ترقی میں اپنا رول ادا نہیں کر سکتیں، بلکہ صرف آزاد قومیں ہی کامیابی و کامرانی سے ہم کنار ہو کر ملک کی تعمیر و ترقی میں اپنا رول ادا کر سکتی ہیں۔

قوم پرستی کی مندرجہ ذیل دو جہتیں ہیں، ایک اعتبار سے یہ نعمت ہے، جب کہ دوسرے اعتبار سے زحمت۔

(۱) تعمیری قوم پرستی (۲) تخریبی قوم پرستی

قوم پرستی کا تعمیری پہلو یقیناً قابلِ قدر چیز ہے۔ اس کی حمایت میں ایک دلیل تو یہ دی جاتی ہے کہ یہ فرد کی خود غرضی اور مفاد پرستی کو ختم کر دیتا ہے، جس کی وجہ سے فرد قوم کی تعمیر و ترقی کے لیے ہر ممکن قربانی پیش کرنے کے لیے تیار ہوجاتا ہے اور قوم کی بھلائی کو اپنی بھلائی اور قوم میں کسی قسم کے فساد کو اپنا فساد تصور کرنے لگتا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ قوم پرستی کا قومی آرٹ اور قومی ادب وغیرہ کی تعمیر و ترقی میں بہت ہی اہم رول رہا ہے۔ اسی جذبے سے سرشار ہو کر شاعروں، ادیبوں اور دوسرے لائق وفائق آرٹسٹوں نے شعری کلام، ادب اور دوسرے بہت سے فنون لطیفہ کے اہم نمونے پیش کیے ہیں جو شاعری، ادب اور آرٹ کی دنیا میں شاہکار سمجھے جاتے ہیں۔

تیسری دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ قوم پرستی کی وجہ سے ہی اقوام

عالم کے درمیان ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کا آغاز ہو چکا ہے۔ اسی سے متاثر ہو کر قومیں سائنس، ٹیکنالوجی اور تمام علوم و فنون میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں اور یہ بات مبالغہ آمیز نہیں کہ اسی مسابقتی دوڑ کا نتیجہ و ثمرہ ہے کہ دنیا میں نئی نئی ایجادیں ہوئیں اور ہو رہی ہیں تاکہ انسانی زندگی کو زیادہ سے زیادہ آرام دہ بنایا جاسکے۔

جارحانہ قوم پرستی اور اس کے سنگین نتائج: قوم پرستی ایک روحانی جذبہ ہے اور اقوامِ عالم کے مابین باوقار زندگی بسر کرنے کے لیے ہر قوم کے درمیان اس جذبے کا ہونا از حد ضروری ہے، لیکن یہ اسی صورت میں مفید ہوسکتی ہے کہ جب وہ اپنی حد میں رہے۔ اگر وہ جارحانہ صورت اختیار کر جائے تو پھر دنیا کے لیے لعنت بن جاتی ہے۔ ہر قوم دیگر اقوام کے بالمقابل اپنے کو مضبوط اور طاقت ور بنانے کے لیے دوسری قوموں کو غلام بنانا شروع کر دیتی ہے اور ایسی صورت میں قوم پرستی، سامراج کی شکل اختیار کر جاتی ہے اور پھر اس طرح جارحانہ قوم پرستی دنیا میں جنگوں کا سبب بن جاتی ہے جس کا منفی نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ دنیا میں تباہی و بربادی پھیلتی جاتی ہے۔

جارحانہ قوم پرستی استحصال کی ایک منظم اور بدترین شکل اختیار کر لیتی ہے اور اپنے ملک کے مفاد کی خاطر دیگر قوموں کے جائز مفاد کو نہ صرف نظرانداز کیا جاتا ہے بلکہ اسے پورے طور پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ یہ جارحانہ جذبہ اپنی قوم میں اپنی برتری کا جذبہ پیدا کرتا ہے جب کہ دوسری قوموں کے خلاف نفرت اور عناد پیدا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقوامِ عالم میں عداوت و منافرت بڑھتی رہی اور بے شمار خوں ریز اور ہولناک جنگوں کا سلسلہ جاری رہا۔ دوسری عالمی جنگ سے پہلے پوری دنیا میں سامراجی نظام قائم تھا، دنیا کی سیاست چار پانچ بڑی طاقتوں کے ہاتھ میں تھی اور ان میں باہم زبردست دشمنی اور رقابت تھی۔ ہر بڑی طاقت یہ چاہتی تھی کہ اس کی سامراجیت اور آگے بڑھے، بالآخر ملک گیری کی ہوس کی وجہ سے دو عالمی جنگیں ہوئیں، جنھوں نے قریباً ساری دنیا کو تباہ و برباد کر دیا اور بے شمار نہ حل ہونے والے مسائل پیدا کر دیے۔ آج بھی بڑے ممالک ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں اور اسلحہ جات کی فراہمی و تیاری پر بے دریغ وسائل خرچ کر رہے ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کا مقصد صرف یہی نظر آرہا ہے کہ دنیا کو تباہ و برباد کر دیا جائے اور تہذیب و ثقافت کا جنازہ نکال دیا جائے۔

جارحانہ قوم پرستی کو ختم کرنے کی عالمی کوشش: اس حالت کے پیشِ نظر دنیا بھر کے سیاسی مفکرین اور سماجی مصلحین کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ اقوامِ عالم کے مابین موجود نفرت و عناد کے جذبے کو ختم کر کے انھیں ایک دوسرے سے قریب لایا جائے تاکہ دنیا میں پائدار امن قائم رہے اور سب مل جل کر زندگی بسر کریں، کیوں کہ آج کی دنیا میں یہ ممکن نہیں کہ کوئی قوم یا ملک ایک دوسرے سے بالکل الگ رہ سکے، بلکہ قدم قدم پر دوسروں کے تعاون کے محتاج ہیں. یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب دنیا میں اخوتِ انسانی، باہمی ہمدردی اور جذبۂ خیر سگالی کے اصولوں پر عمل ہو۔ اس کے لیے لازم ہے کہ تمام قومیں اور ممالک جغرافیائی یا ملکی سرحدوں سے نکل کر خالص انسانیت کے نصب العین کو اپنائیں اور تمام تر لسانی، نسلی، مذہبی اور تمدنی امتیازات کو ختم کر دیں۔ اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ جارحانہ قوم پرستی ہے، جسے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی ضرورت ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے سب سے پہلے "جمعیۃ الاقوام" یا "لیگ آف نیشنز" کے نام سے ایک عالمی ادارے کا قیام عمل میں آیا، لیکن وہ ادارہ اپنے مطلوبہ اہداف کے حصول میں ناکام رہا۔ اس کے بعد دوسری عالمی جنگ (۴۴ – ۱۹۳۹ء) کے بعد جون ۱۹۴۵ء میں یو. این. او. یعنی ادارۂ اقوامِ متحدہ قائم کیا گیا۔ لیکن وہ بھی بین الاقوامیت کو فروغ دینے میں یا اقوامِ عالم اور تمام ممالک کے درمیان اخوت و بھائی چارگی اور جذبۂ خیر سگالی پیدا کرنے میں ناکام ہی ثابت ہو رہا ہے، وہ بھی بڑی طاقتوں خاص طور پر امریکہ، برطانیہ اور اسرائیل کا بغل بچہ اور آلۂ کار بنا ہوا ہے۔ اس کے بیش تر فیصلے اس کے آقاؤں، خاص طور پر امریکہ کے ایما پر ہوتے ہیں۔ اس ادارہ کے ہوتے ہوئے آج نصف صدی سے زائد عرصے سے اسرائیل نہتے فلسطینیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھا رہا ہے۔ بغیر کسی ٹھوس اور مضبوط ثبوت کے امریکہ نے افغانستان کو تہ و بالا کر دیا، اس کے بعد عراق کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور ایران پر بھی شب خون مارنے کے لیے اپنے پر تول رہا ہے۔

یوں تو تاریخِ عالم کے ہر دور میں سیاسی مفکرین و سماجی مصلحین اس امر کے لیے جدوجہد کرتے رہے ہیں کہ کس طرح قومی، نسلی، تمدنی اور مذہبی اختلافات کو ختم کیا جائے اور بین الاقوامی جذبے کو فروغ دیا جائے، لیکن تاریخی لحاظ سے سب سے قبل رومن عہد میں مختلف ممالک کے باشندوں کو ایک ہی قانون کے تحت لانے کی کوشش کی گئی

اور تمام ترنسلی و قومی و مذہبی امتیازات و اختلافات کو ختم کر کے ان میں باہم محبت و مودت، اخوت و بھائی چارگی اور جذبۂ خیر سگالی کو پیدا کرنے کی کوشش کی گئی، اس تحریک کو کسی حد تک کامیابی بھی ملی، لیکن جارحانہ قوم پرستی اور بربریت ہمیشہ انسانیت اور بین الاقوامیت کے جذبے پر غالب آتی رہی، جس کے نتیجے میں ایک ملک دوسرے ملک پر شب خون مارتے رہے۔ ایک قوم دوسری قوم کے خون سے ہولی کھیلتی رہی، مثلاً عہد قدیم میں جب یہودیوں پر غیر یہودی قومیں غالب آتیں تو انھیں مشق ستم بناتیں اور یہودی غالب آتے تو وہ انھیں نہیں بخشتے۔

جارحانہ قوم پرستی کو ختم کرنے میں اسلام کا کردار: رومن عہد کے بعد اسلامی عہد کا آغاز ہوا۔ جب اسلام کا سورج نمودار ہوا تو اس کی کرنوں سے انسانی سماج میں زبردست انقلابات رونما ہوئے۔ رحمت تمام، جانِ دوعالم، سرورِ جن وانسان، فخرِ بنی آدم، محسنِ انسانیت، معلمِ کائنات جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت سے قبل ساری دنیا قوموں اور طبقوں میں بٹی ہوئی تھی۔ خاص طور پر عرب کے لوگ مختلف طبقوں اور قبیلوں میں منتشر تھے۔ ان سب میں طبقاتی، قبائلی اور نسلی و مذہبی کشمکش کا بازار ہمیشہ گرم رہتا تھا۔ اسلام نے انسانی معاشرے میں پھیلی ہوئی اس انارکی، بدامنی اور فساد کو قتل سے بھی زیادہ سخت بتاتے ہوئے کہا کہ انسان اپنی فطرت کو بھول گیا ہے اور بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہو گیا ہے۔ اس نے مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ وہ دشمنوں سے اسی صورت میں لڑیں جب دشمن ان پر زیادتی کرنے لگیں اور جنگ میں صرف اسی حد تک سختی کریں کہ جس سے دشمن شکست کھا جائیں، اس سے زیادہ سختی کو اختیار نہ کریں اور جب دشمن صلح و آشتی کا پیغام دے تو اس کو خندہ پیشانی و کشادہ قلبی کے ساتھ قبول کریں تاکہ اسلام کی خوبی ان کے سامنے واضح ہو جائے۔

اسی طرح مذہبِ اسلام نے جنگی قیدیوں کے بارے میں یہ ہدایت دی کہ انھیں قتل نہ کیا جائے یا انھیں پریشان نہ کیا جائے بلکہ ان کے ساتھ انسانیت کا سلوک کرتے ہوئے انھیں آرام سے رکھا جائے اور اگر وہ فدیہ دے کر آزاد ہونا چاہیں تو انھیں آزاد کر دیا جائے۔ چناں چہ تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ جنگِ بدر جو اسلامی تاریخ کی پہلی جنگ تھی کہ جس میں قیدیوں کو ہر طرح کی آرام و آسائش کے سامان فراہم کیے گئے تھے۔ یہی نہیں بلکہ تھوڑا سا فدیہ لے کر یا پڑھنا لکھنا سکھانے کے عوض انھیں آزاد بھی کر دیا گیا۔ اسلام کا یہ حسنِ سلوک ساری انسانیت پر اس کا بہت بڑا احسان ہے۔ کیوں کہ اس سے قبل قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا۔ فاتح قوم کی نگاہ میں جنگ میں لڑنے والے اور جنگی قیدی ایک ہی حیثیت رکھتے تھے۔ اسلام کے اس حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر بہت سے قیدیوں بغیر کسی ترغیب و ترہیب کے حلقہ بگوشِ اسلام بھی ہو جاتے تھے۔

اسلام کا بین الاقوامی اصول: رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے آخری حج کے موقع پر ۲۶/ ذی الحجہ ۱۰ھ کو اپنے اس عظیم الشان و مشہور و معروف خطبہ کے ذریعہ جو تاریخ میں خطبۂ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے، دنیا کے سامنے ایک ایسا "بین الاقوامی اصول" پیش کیا، جس نے تمام ترقومی و ملکی تنازعات و اختلافات اور نسلی، لسانی، طبقاتی، قبائلی کشمکش اور منافرت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا، جب کہ اسلام سے قبل مخلوقِ الٰہی مختلف طبقات و مراتب میں منقسم تھی۔ غلام آقا کی ہمسری نہیں کر سکتے تھے، شرفا اپنے آپ کو ادنیٰ طبقوں سے بالاتر تصور کرتے تھے۔ آپ نے یہ ساری حدیں توڑ کر انسانی معاشرے کی ناہموار سطح کو بالکل برابر کر دیا۔ آپ نے فرمایا:

"لوگو! بے شک تمھارا رب ایک ہے اور تمھارا باپ ایک ہے، تم میں سے عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر، کالے کو گورے پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی برتری و فضیلت حاصل نہیں، مگر تقویٰ کے ذریعہ۔" اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ: "تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے ہے۔" یہی نہیں بلکہ آپ نے غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا کہ "تمھارے غلام، تمھارے غلام ہیں، تم ان کو وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔"

ہندوستان میں جارحانہ قوم پرستی اور اس کے اسباب: آزاد ہندوستان میں جارحانہ قوم پرستی اور ہندو مسلم کشمکش کے متعدّد اسباب و وجوہ ہو سکتے ہیں، لیکن میرے نزدیک اس کے پانچ بنیادی و اصلی اسباب ہیں جو اس طرح ہیں:

- چھوت چھات کا نظریہ
- مسلم دورِ حکمرانی میں اپنی محکومیت کا احساس
- پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی انگریزی پالیسی
- جدید تعلیم و تہذیب
- تقسیمِ ہند

(۱) چھوت چھات کا نظریہ: ہندوستان کی مذہبی تاریخ کے

مطابق چھوت چھات کا یہ قبیح اور انسانیت سوز نظریہ یہاں قدیم زمانے سے ہی پایا جارہا ہے۔ ہر چند کہ آج کے اس سائنسی و ٹکنالوجی دور میں تعلیمی ترقی کے سبب اس نظریہ کی سختی میں کمی آنے کے ساتھ ساتھ اس پر یقین رکھنے والوں کی تعداد میں بھی خاطر خواہ کمی آئی ہے لیکن آج بھی یہ نظریہ آزاد ہندوستان میں موجود ہے، حتیٰ کہ بہت سے علاقوں میں آج بھی اعلیٰ برادری والے مندروں میں نسبۃً چھوٹی برادری والے ہندوؤں کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ نظریہ انسان کے بین الانسانی نقطۂ نظر کو محدود کرتے کرتے قوم و قبیلہ یا خاندان تک میں سمیٹ کر رکھ دیتا ہے۔ پھر اس کے بعد نسلی، نسبی، قومی اور گروہی و طبقاتی کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ ہندوستانی سماج میں موجود جارحانہ قوم پرستی اور ہندو مسلم کشمکش میں اس نظریے کے منفی کردار سے کوئی بھی ذی فہم شخص انکار نہیں کر سکتا۔

(۲) محکومیت کا احساس: غیر مسلموں کی متعصبانہ ذہنیت اور جارحانہ قوم پرستی و وطن پرستی کا سب سے بنیادی و مرکزی سبب مسلم شاہانِ ہند کے عہدِ حکمرانی میں اپنی محکومیت اور غلامی کا احساس ہے۔ تاریخِ ہند کے مطابق مسلمانوں نے یہاں تقریباً ایک ہزار سال تک بڑے رواداران، فیاضانہ اور عادلانہ انداز میں حکومت کی ہے۔ حالاں کہ مسلم حکمرانوں نے نہ یہاں کے قدیمی باشندوں کے اوپر زبردستی اپنے مذہب کو تھوپا، نہ ہی اپنی تہذیب و روایات کو اپنانے کے لیے ان پر جبر کیا اور نہ انھیں ان کے مذہبی اشغال سے روکنے کی کوشش کی بلکہ انھیں ہر طرح کے شہری حقوق و مراعات عطا کیے۔ اس کے باوجود اس طویل دورِ حکمرانی کو اپنی غلامی و محکومی کا دور تصور کیا جارہا ہے اور اسی کے ردِ عمل کے طور پر آج مسلمانوں کے ساتھ تعصب، عناد اور جارحیت کو روا رکھا جارہا ہے اور اس طرح انھیں غلام و محکوم بنا کر رکھنے کی ناپاک کوششیں کی جارہی ہیں۔

(۳) پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی انگریزی پالیسی: فاشزم اور ہندو مسلم منافرت کا ایک بڑا سبب تن کے گورے، من کے کالے فرنگیوں کی نفرت انگیز پالیسی "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" ہے۔ برصغیر میں اپنے اقتدار کو مستحکم اور مضبوط بنانے کے لیے اپنے پورے عہدِ حکمرانی میں اس پالیسی پر وہ پوری مستعدی اور حکمت عملی کے ساتھ قائم رہے، کیوں کہ انھیں اس بات کا اچھی طرح علم تھا کہ جب تک یہاں کی دو بڑی قوموں ہندوؤں اور مسلمانوں کی صفوں میں انتشار نہ پیدا کر دیا جائے اس وقت تک ہم زیادہ دنوں تک برسرِ اقتدار نہیں رہ سکتے، اپنی اس پالیسی کو کامیاب بنانے کے لیے انھوں نے مسلمانوں کی ہزار سالہ شان دار حکمرانی کی تاریخ کو حد درجہ مسخ کر کے پیش کیا، اور اس بات کو باور کرانے کی ناپاک جرأت و جسارت کی کہ مسلمانوں نے یہاں حد درجہ سفاکی اور بربریت کے ساتھ حکومت کی، یہاں کے اصل باشندے ہندوؤں کو غلام بنا کر رکھا، ان کے مندروں کو مسمار کیا، مذہب تبدیل کرنے کے لیے ان پر جبر کیا۔ ان پر ہر طرح کے مظالم ڈھائے، جب کہ تاریخی و زمینی حقائق ان بھونڈے الزامات و اتہامات کو یکسر مسترد کرتے ہیں۔

مسلم شاہانِ ہند پر لگائے گئے ان جھوٹے الزامات کا مقصد صرف یہ تھا کہ غیر مسلموں کو مسلمانوں سے اس قدر متنفر کر دیا جائے کہ وہ باہم دست و گریباں رہیں اور ہمارے غلبہ و اقتدار کے خلاف کسی قسم کی متحدہ تحریک نہ چلا سکیں۔ ان جابر و غاصب انگریزوں کی عیاری و مکاری کی حد تو یہ ہے کہ وہ یہاں سے جاتے جاتے بھی اپنی طرف سے ایسے انتظامات کر گئے کہ برصغیر میں ہندو مسلم کشمکش ایک طویل عرصے تک موجود رہے، جس کا ٹھوس اور بین ثبوت دو حصوں میں برصغیر کی تقسیم ہے۔

انگریزوں کی اس نفرت انگیز پالیسی کا نتیجہ ہے کہ آج تک یہاں کی اکثریت مسلمانوں سے متنفر ہے اور شاید اپنی سابقہ مظلومیت کے زعم فاسد کی وجہ سے جذبۂ انتقام سے مغلوب ہو کر مسلمانوں کو ہر سطح پر پریشان کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

(۴) جدید تعلیم و تہذیب: جارحانہ قوم پرستی کا ایک بنیادی سبب جدید تعلیم و تہذیب بھی ہے جو ہندوستان میں اجنبی ہونے کے باوجود انگریزوں کی پشت پناہی اور سرپرستی کے سبب پرورش پائی اور اس کثرت میں وحدت کا نمونہ پیش کرنے والے اس عظیم ملک کی قدیم روحانی و مذہبی اقدار و روایات کو بالکل تباہ و برباد کر کے رکھ دیا اور ان کی جگہ یہاں کے باشندوں میں ایسے جذبات و خواہشات ابھار دیے جو بہت سی بداخلاقیوں اور فحاشیوں کا سرچشمہ ہیں، جن کی وجہ سے بلاتفریق مذہب و ملت یہاں کے تمام باشندوں کو طرح طرح کی مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

اس جدید تعلیم و تہذیب نے جہاں ایک طرف بغیر کسی تفریق و امتیاز کے یہاں کے تمام لوگوں کو ذہنی غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے، وہیں دوسری جانب اکثریت کے دل و دماغ میں قوم پرستی کا جذبہ بھی کوٹ کوٹ کر بھر دیا جسے انگریزوں کی "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" والی نفرت انگیز تحریک نے جارحانہ قوم پرستی میں تبدیل کر دیا۔

(۵) تقسیمِ ہند: آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف

جارحیت، عصبیت اور منافرت کے جو اشتعال انگیز جذبات پائے جارہے ہیں، ان میں بڑی حد تک ہندوستان کی تقسیم کا بھی رول ہے۔ دراصل پاکستان کا قیام ہی بہت سے لوگوں کے نزدیک ناجائز تھا، یہی وجہ ہے کہ آج بھی محض اس کا تصور ہی غیر مسلموں کے لیے تکلیف وآزار کا سبب ہے۔

پاکستان کے تصور کا ان کے لیے ناقابلِ برداشت ہونا تو خیر ایک فطری وقدرتی امر ہے، کیوں کہ پاکستان کل تک اسی ملک کے جسم کا ایک اہم ٹکڑا تھا جسے انگریزوں نے اپنی عیاری ومکاری سے تقسیم کرکے آرے کے ذریعہ کاٹ کر الگ کر دیا۔ اب ظاہر سی بات ہے کہ اس ملک کے باشندے اس تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتے اور نہ ہی اتنی جلدی کٹے ہوئے اعضا کو بھلا سکتے ہیں۔

منافرت کو دور کرنے کی تدابیر: آزاد ہندوستان میں جارحانہ قوم پرستی، ہندو مسلم کشمکش اور منافرت ومخاصمت کی جو موجودہ صورتِ حال ہے، اس سے ناامید اور مایوس ہونے کے بجائے مذہبِ مہذب اسلام کی روشن تعلیمات وہدایات کی روشنی میں ہمیں اس امر کے لیے ہر ممکن کوشش کرنے کی ضرورت ہے کہ عیار ومکار انگریزوں کے ذریعہ ہمارے متعلق پھیلائی گئی بدگمانیاں دور ہوں اور ہم تمام ہندوستانی بلا کسی مذہبی امتیاز وتفریق کے ایک گھر اور ایک فیملی کے افراد کی طرح باہم شیر وشکر ہو کر چین وسکون کی زندگی بسر کر سکیں۔

اگر ہم حکمت وموعظت اور سنجیدہ طریقوں سے غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کو دور کرنے کے لیے جدوجہد کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ اکثریت کی موجودہ ذہنیت صاف نہ ہو جائے اور ہندوستان صحیح معنوں میں "جنت نشان" اور امن وامان کا عظیم گہوارہ نہ بن جائے۔ میں یہ امید اس لیے کر رہا ہوں کیوں کہ انسان کی فطرت میں خیر اور بھلائی کا عنصر داخل ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ عارضی اسباب وعوامل کے باعث انسان کی ذہنیت بدل جائے، جس کی وجہ سے اس کے جذبۂ خیر پر شر وفساد غالب آجائے اور اس طرح وہ شر ہی کو پسند کرنے لگے، لیکن اگر تذکیری انداز میں کوشش کی جائے تو اس کی اس حالت کو بدلنا غیر ممکن نہیں ہے، کیوں کہ اس کی یہ حالت اس کی انسانی فطرت کے سراسر خلاف ہے۔

اگر اقوامِ عالم اور مختلف ممالک کے باہم تعلقات کا تاریخی جائزہ لیا جائے تو اس بات کی کئی مثالیں مل جائیں گی کہ دو شدید ترین دشمن قومیں اور ممالک آپس میں شیر وشکر ہو گئے، زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں، دوسری جنگ عظیم کے دور میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ روس اور جرمنی اپنے تمام تر اختلافات وتنازعات کو پس پشت ڈال کر ایک نکتے پر متحد ومتفق ہو گئے تھے۔ اور یہ اتحاد صرف ہٹلر اور اسٹالن تک ہی محدود نہیں رہا تھا۔ بلکہ دونوں ممالک کے باشندے بھی بڑی محبت کے ساتھ ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے، یہ اور بات ہے کہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ان کے تعلقات پھر سے خراب ہوتے گئے اور آج وہ پھر ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔

خود ہندوستان میں اگر آپ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ماضی قریب کی تاریخ کا جائزہ لیں تو اس قبیل کی متعدد مثالیں مل جائیں گی کہ اسی ہندوستان میں کبھی ہندو مسلم تعلقات اس قدر کشیدہ تھے کہ ان کے لیے ایک دوسرے کو برداشت کرتے ہوئے سکون کے ساتھ رہنا ممکن نہیں رہا، حتیٰ کہ مجبوراً ملک کو دو لخت کرنا پڑا، اور اسی ملک میں چشمِ فلک نے ہندو مسلم اتحاد کا یہ بہترین نظارہ بھی دیکھا کہ جب مسلمانوں نے تحریکِ خلافت چلائی تو غیر مسلم بھائیوں نے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا اور خلافت کے نام پر منعقد کیے جانے والے جلسوں میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر انھیں کی طرح اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے بھی لگائے۔

موجودہ حالات میں تبدیلی کے امکانات: ہندوستان کے موجودہ حالات میں تبدیلی کے کئی امکانات موجود ہیں، سب سے پہلے ہمیں اس بات کو خوب اچھی طرح ذہن نشیں کر لینا چاہیے کہ ہر غیر مسلم یکساں طور پر مسلم دشمن نہیں ہے اور نہ ہر ایک مسلمانوں کے خلاف یکساں تعصب وتنگ نظری کا شکار ہے۔ ان میں آج بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے، جن کی سوچ اور فکر میں امن وآشتی، خیر خواہی اور ہر کسی کے احترام کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ وہ اپنی سوچ کو تعصب اور قوم پرستی کے اثرات سے بالکل خالی رکھتے ہیں۔

ان میں آپ کو ایسے لوگ تو بہت ملیں گے جو اگرچہ وقت کی چلتی ہوئی رو سے متاثر ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اپنی نفرت وبیزاری کا اظہار کرتے ہیں، لیکن وہی لوگ، اسلام اپنے دامن رحمت میں جو صداقتیں رکھتا ہے انھیں تسلیم بھی کرتے ہیں اور نفرت کے باوجود بسا اوقات ہنگامی حالات میں وہ مسلمانوں کا تعاون کرنے میں بھی نہیں ہچکچاتے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ انسان فطرتاً امن پسند واقع ہوا ہے اور مختلف ذریعوں سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو نفرت پھیلائی گئی ہے وہ فطرتِ انسانی پر غالب نہیں آسکی ہے۔

سفر کے دوران خود ہمیں متعدّد بار ایسے کئی پڑھے لکھے ہندو بھائیوں سے سابقہ پڑا ہے جنھوں نے آپسی مذہبی گفتگو کے دوران اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کیا اور ایک صالح اور نیک معاشرہ کی تشکیل کے لیے ان کو لازم قرار دیا، مثلاً اسلامی پردہ کو موجودہ بے راہ روی کے سدِ باب کے لیے بہت ہی بہتر گردانا اور ہندو مذہب کے پیرو کار ہونے کے باوجود اپنے مذہب کی بہت سی باتوں اور رسموں سے اپنی نفرت و بیزاری کا اظہار کیا۔

ہمیں اس بات کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ تمام ہندو شر پسند نہیں ہیں، بلکہ ایسے لوگوں کی تعداد کم ہے جب کہ امن پسند زیادہ ہیں۔ اگر آپ اس بات کو نہیں مانیں کہ پوری ہندو جاتی شر پسند نہیں تو گویا آپ فطرتِ انسانی کے منکر ہوں گے، جو بہر حال امن اور خیر پر مبنی ہوتی ہے۔ آپ ذرا غور کریں کہ اگر تمام ہندو جاتی شر پسند ہوتی تو کشت و خوں ریزی بلکہ مسلم نسل کشی کا منظم سلسلہ جو تقسیم ہند کے بعد شروع ہوا تھا، اتنے پر ہی بند نہ ہو جاتا، بلکہ اس وقت پورا ہندوستان اس کی زد میں آجاتا اور کسی بھی مسلمان کا زندہ رہنا ممکن نہیں ہوتا، کیوں کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد کے پاکستان منتقل ہو جانے کی وجہ سے بقیہ ہندوستانی مسلمانوں کی اتنی حیثیت نہیں تھی کہ وہ ہندوؤں سے مقابلہ کرتے اور اپنے دفاع میں کامیاب ہوتے۔ دوسری طرف پاکستان بھی ان کے وجود کا ضامن نہیں بن سکتا تھا، کیوں کہ وہ ابھی طفلِ نوزائدہ کی طرح تھا اور اپنے وجود و بقا کے سلسلے میں اسے خود خطرات اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، ایسے نازک ترین حالات میں بھی کشت و خوں ریزی کا سلسلہ ملک کے چند علاقوں تک ہی پہنچ کر بند ہو گیا۔ قوی ترین اسباب موجود ہونے کے باوجود فسادات کے سلسلہ کا رک جانا یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ تمام ہندو شر پسند نہیں ہیں۔

اس حقیقت سے بھی کسی کو انکار نہیں ہونا چاہیے کہ فسادات میں متعلقہ علاقوں کے سارے ہندو شریک نہیں ہوتے بلکہ ایسے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں جنھوں نے بسا اوقات اپنے کو خطرات میں ڈال کر فسادات کو روکنے اور مظلومین کو تعاون فراہم کرنے کی کوششیں کیں۔ علاوہ ازیں ملک میں ایسے افراد بھی بکثرت موجود ہیں جو اس بات کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں کہ وہ شر و فساد کے واقعات میں ملوث ہوں لیکن ان کی شر پسندی اس درجے کو نہیں پہنچی ہے کہ وہ موانع کو بالکل نظر انداز کر کے ان میں مبتلا ہو جائیں، ضمیر کی ملامت، اپنے پڑوسیوں اور عام پبلک کا پاس و لحاظ اور حکومت کا خوف اور اس قسم کی دوسری چیزوں کا وہ لحاظ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو شر و فساد سے الگ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مذکورہ تمام باتیں اس حقیقت سے پردہ اٹھا رہی ہیں کہ پوری ہندو جاتی کے بارے میں مسلمانوں کی بدگمانیاں کسی بھی طرح درست نہیں ہیں۔ اگر کوشش کی جائے تو بہت سے ایسے ہندو بھائیوں کے ذہن کو اپنی طرف سے صاف کر سکتے ہیں۔

موجودہ حالات میں تبدیلی واقع ہونے کا ایک بہت امید افزا اور قابلِ اعتماد پہلو یہ بھی ہے کہ مسلمان ہونے کے ناتے ہمیں اس بات پر کامل یقین اور پختہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ اصل کار فرما اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے۔ اگر اس کا منشا شامل ہو تو پل میں حالات بدل جائیں گے اور اسلام و مسلمانوں کے تعلق سے جو بدگمانیاں دہائیوں سے پھیلائی جا چکی ہیں وہ چند دنوں میں ہی ایسے ختم ہو جائیں گی کہ گویا کبھی کوئی بدگمانی تھی ہی نہیں۔ بس ضرورت اس بات کی ہے کہ حالات سے مایوس نہ ہوں اور بد گمانیوں کو دور کرنے کے لیے اپنی اخلاقی کوتاہیوں کا بھی محاسبہ کریں اور جہدِ پیہم اور عمل مسلسل کریں۔ کوشش کرنا ہم سب کا فریضہ ہے اور کامیابی و کامرانی سے ہم کنار کرنا اللہ رب العزت کی مشیت پر ہے

یہ نکتہ بھی ضرور ذہن نشیں رکھنا چاہیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بلا سبب کسی قوم کو پریشانی اور مصیبت میں مبتلا نہیں کرتا۔ مصیبت یا تو قوم کی کسی غلطی اور جرم کا نتیجہ ہوتی ہے یا اس کے ذریعہ قوم کے ایمان اور حق پر ثابت قدمی کی آزمائش اور پھر اس کی ترقی درجات مقصود ہوتی ہے۔ لہٰذا ملک کے موجودہ حالات میں اپنی پریشانیوں کے تناظر میں ہمیں اپنا بھی احتساب کرنے کی ضرورت ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کے احکام و فرامین کی بجاآوری میں ہم سے کوئی کوتاہی ہو رہی ہے، یا شرعی حدود کا پاس و لحاظ نہ رکھتے ہوئے ہم اپنے کو برائیوں سے نہیں روک پا رہے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ہمیں چاہیے کہ ہم جلد از جلد توبہ کریں اور قرآن و سنت کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں۔

خدا کرے کہ ملک میں پائی جانے والی جارحانہ فرقہ پرستی، انارکی، مسلم منافرت و مخاصمت اور ہندو مسلم کشمکش و رسہ کشی کا خاتمہ ہو اور اسلام و مسلمانوں کے متعلق پھیلائی گئی بدگمانیاں دور ہوں تاکہ ملک کے تمام باشندے بلا کسی مذہبی، نسلی، گروہی، طبقاتی اور علاقائی تفریق و امتیاز کے باہم شیر و شکر ہو کر زندگی بسر کریں اور ملک کی تعمیر و ترقی میں سب مل جل کر جد و جہد کریں کہ یہی زندہ قوموں کا نشانِ امتیاز ہے اور اسی کے ذریعہ ہمارے ملک کو عالمی برادری میں وقار و احترام کا درجہ حاصل ہوگا۔ ☆☆

اردو میں منقبت نگاری، آغاز وارتقا

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں ۔ہم ارباب قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں ۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں ۔ از: مبارک حسین

اکتوبر ۲۰۱۴ء کا عنوان بچہ مزدوری-اسباب و تدارک

نومبر ۲۰۱۴ء کا عنوان منشیات کی روک تھام کیسے ہو

منقبت کی ابتدائی شکل صوفیہ حضرات کی جکریاں ہیں

از: محمد طفیل احمد مصباحی، tufailmisbahi@gmail.com

اردو زبان میں شاعری کی ابتدا حمد و نعت سے ہوئی، بعد ازاں منقبت نگاری کا دور شروع ہوا۔محققینِ ادب نے حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کو اردو کا پہلا نعت گو تسلیم کیا ہے اور میراں جی شمس العشاق کے بارے میں لکھا ہے کہ منقبت کا پہلا نمونہ انھیں کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ اسی طرح امیر خسروؔ کے ہم عصر شاعر مولانا وجیہ الدین، شیخ امین الدین لکھنوی (م:۸۲۹ھ)، سید ہاشم علوی (شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کے بھتیجے) منقبت کے سابقین اولین شعرا میں سے ہیں۔ ان حضرات کی مشترکہ کوششوں سے اردو میں منقبت کے نام سے ایک نئی صنفِ سخن کا آغاز ہوا۔ منقبت کا پرانا نام کیا ہے؟ اس پر گفتگو بعد میں ہوئی۔ حمد و مناجات اور نعت کی طرح منقبت کا شمار بھی اسلامی ادب میں ہوتا ہے۔منقبت کا تعلق دینی احساس، قلبی ارادت اور عقیدت مندی سے ہے۔فضل و کمال، حسن و جمال اور مال و منال، یہ تین چیزیں ایسی ہیں جن ہمیشہ انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہیں اور ان اوصاف کے حامل اشخاص و افراد سے عقیدت و محبت، ہمدردی و غم گساری کا جذبہ پیدا کرتی ہیں۔

منقبت کے معرضِ وجود میں آنے کا بنیادی سبب فضل و کمال ہے۔ مال و منال کو منقبت کا سبب قرار نہیں دیا جاسکتا، ورنہ منقبت نگاری اور قصیدہ نگاری میں فرق دشوار ہوگا۔ اسی طرح حسن و جمال بھی منقبت کا باعث نہیں بن سکتا ورنہ منقبت اور غزل میں امتیاز کرنا مشکل ہوگا۔ در اصل منقبت کا تعلق اپنے ممدوح کے عمدہ فضائل، اعلیٰ اوصاف، بلند کردار اور ان کے ذاتی فضل و کمال سے ہے۔ ان کے علاوہ ممدوح کے اندر تقویٰ و صلاح، دین داری و پرہیز گاری اور علم و روحانیت کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ جب کسی عظیم دینی علمی و روحانی شخصیت کے اندر مندرجہ بالا اوصاف پائے جائیں اور شاعر ان اوصافِ کمالی سے متاثر ہوکر اشعار قلم بند کرے تو یہی اشعار "منقبت" کہلاتے ہیں۔

حمد و نعت کی طرح منقبت بھی ایک موضوعاتی صنفِ سخن ہے، جو کسی بھی ہیئت، فارم یا تکنیک میں لکھی جاسکتی ہے۔قدیم صوفیۂ کرام (جن کی بدولت اردو نظم و نثر کی نشو نما ہوئی) نے حمد و نعت کے ساتھ صحابۂ کرام، اہلِ بیتِ اطہار، مشائخِ عظام، مرشدانِ طریقت اور اپنے سلسلے کے بزرگانِ دین کی مدح میں اشعار کہے۔ بعد کے شعرا نے ان کی پیروی کی اور اس طرح اردو میں "منقبت نگاری" کا باضابطہ آغاز ہوا۔

تقدیسی شاعری میں حمد، نعت اور منقبت کو ایک بلند ترین مقام حاصل ہے۔ ان تینوں صنفوں کا نام ان کے موضوع کی مناسبت سے

ہے۔ اردو زبان میں شعری اصناف کی درجہ بندی اور اقسامِ شعر کی شناخت، ہیئت اور موضوع کی بنیاد پر ہے۔ غزل اور رباعی محض ہیئت کی بنیاد پر پہچانی جاتی ہے، جب کہ مرثیہ، واسوخت، شہر آشوب، حمد و نعت اور منقبت کی شناخت صرف موضوع کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ ہیئت اور موضوع دونوں کی آمیزش سے مثنوی اور قصیدہ کا مرکب تیار ہوتا ہے۔

غیاث اللغات ،ص:۴۴۶ ر اور فرہنگ آصفیہ ۲۱۸۳/۳ر کی صراحت کے مطابق منقبت کے معنیٰ تعریف و توصیف اور مدح و ثنا کے ہیں اور اصطلاح شعرا میں اس مدح و ستائش کو منقبت کہتے ہیں جو اصحابِ رسول ﷺ ،ائمۂ اہلِ بیت اور بزرگانِ دین کی شان میں ہو۔

منقبت ایک قدیم صنفِ سخن ہے، صرف اردو ہی نہیں بلکہ عربی و فارسی میں بھی کثرت سے منقبتیں لکھی گئی ہیں۔ زمانۂ رسالت و عہدِ صحابہ و تابعین میں بھی منقبت نگاری کا عام چلن تھا۔ لیکن منقبت نام کے بجائے قصیدہ کا لفظ زیادہ متعارف تھا۔ قصیدہ میں بڑی وسعت اور گنجائش ہے۔ عربی میں حمدیہ، نعتیہ اور منقبتیہ اشعار کو عام طور سے قصیدہ ہی کہا جاتا ہے لیکن اردو میں ہر ایک مستقل صنفِ سخن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اردو شاعری کا آغاز مذہبی حیثیت سے ہوا اور ایک مدت تک مذہبی خیالات شاعری کا جزوِ غالب رہے۔ حمد، نعت، منقبت اور مثنوی جیسے پاکیزہ اور مقدس اصنافِ سخن کو اس درمیان خوب خوب پنپنے اور ترقی کرنے کا موقع ملا۔ حمد کو عروج حاصل ہوا، نعت پروان چڑھی، منقبت کی روایت عام ہوئی اور مثنوی کا بازار گرم ہوا۔ اس وقت موجودہ غزل جیسی پامال اور بے حیا صنفِ سخن سے لوگ ناآشنا تھے۔ اردو میں قصیدہ نگاری ایک مقبول ترین صنف ہے اور قصیدہ ہی کی جڑ سے منقبت نگاری کی شاخ نکلی ہے۔ جب مذہبی حیثیت سے اردو شاعری کی ابتدا ہوئی اور قصیدہ نگاری کے فن کو عروج و استحکام حاصل ہوا تو رفتہ رفتہ قصیدے کے اجزائے ترکیبی میں حمد و نعت اور منقبت کی بھی شمولیت ہونے لگی اور امتدادِ زمانہ کے ساتھ شاعری کی یہ تینوں قسمیں مستقل صنفِ سخن میں تبدیل ہو گئیں۔ ہمارے قول کی تائید مندرجہ ذیل اقتباس سے بھی ہوتی ہے۔

ادیب و شاعر اور ناقد و محقق سید امداد امام اثرؔ لکھتے ہیں:

"جاننا چاہیے کہ قصیدہ کی اصل غرض یہ ہے کہ شاعری کے پیرایے میں مسائلِ اخلاق و معاشرت و تمدن و معاش و معاد وغیرہ کی تعلیم دینی و دنیوی بنی آدم کو نصیب ہو۔ یا حمدِ خدا و نعتِ مصطفےٰ ﷺ و منقبتِ علی مرتضیٰ و ائمۂ باصفا سے شاعر کو ثوابِ عقبیٰ حاصل ہو۔"

(کاشف الحقائق، ص:۴۷۹، قومی کونسل، دہلی)

اردو کے بے شمار قصیدے حمد و نعت اور منقبت کے جلوؤں سے آراستہ ہیں، جو اس بات کی روشن دلیل ہے کہ قصیدہ اپنے ظرف میں حمد و نعت اور منقبت کے لعل و گہر بھی رکھتا ہے اور اس میں بڑی وسعت ہے و پہنائی ہے۔

منقبت کی ابتدائی شکل: اس میں دو رائے نہیں کہ منقبت نگاری ایک مکمل اور مستقل ادبی صنف ہے، اگرچہ اس کی صنفی اور ادبی حیثیت اب تک واضح طور پر متعیّن نہیں کی جا سکی ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اردو میں منقبت نگاری کی تاریخ پانچ سو سال پرانی ہے۔ قصیدہ کے علاوہ صوفیہ حضرات کی "جکریوں" میں بھی منقبت کے اشعار پائے جاتے ہیں۔ منقبت یہ "جکریّ" کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ منقبت کی ابتدائی شکل یہی جکری ہے۔

اب جکری کی تفصیل ملاحظہ کریں:

محمود شیرانی کے بقول:

"جکری اصل میں ذکریا ذکری تھا، ہندوستانی اثرات میں جکری ہو گیا۔"

ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی لکھتے ہیں:

"لفظ جکری غور طلب ہے، اگر جکری کے درمیانی حرف کو "گ" پڑھا جائے تو جگریّ کے معنیٰ جگر یا دل سے نکلی ہوئی بات ہوں گے، جیسے موسیقی میں جکری لَے اس کو کہتے ہیں جو از خود دل سے نکلی ہو یعنی اکتسابی نہ ہو۔ اگر اس کو "ک" سے پڑھا جائے تو یہ لفظ جکری ہو گا۔ جکریہ لفظ "ذکر" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔"

(تاریخ ادب اردو، ۱۲۵/۵، قومی کونسل، دہلی)

شیخ بہاء الدین باجنؔ نے اپنی تصنیف "خزائن رحمت اللہ" میں اپنے دو ہے اور جکریاں نقل کی ہیں اور بعض جکریوں کے بارے میں لکھا ہے: "بعضے در مدحِ پیر دستگیر و وصفِ روضۂ ایشاں۔" یعنی بعض جکریاں پیرانِ پیر حضرت غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف و توصیف میں ہیں۔

زمانۂ قدیم میں جو جکریاں لکھی جاتی تھیں، ان کے مختلف موضوعات تھے۔ ان میں سے ایک اہم موضوع بزرگانِ دین کی مدح

و ثنا اور مشائخ کے شجروں کا بیان ہوا کرتا تھا۔ بعد میں دوسرے مضامین بھی لائے جانے لگے۔

محمود شیرانی "جکری" کی اصطلاحی تعریف یوں کرتے ہیں:

"جکری کا اطلاق ایسی نظموں پر ہوتا ہے جن میں اور مضامین کے علاوہ سلسلے کا شجرہ اور مشائخ کی مدح ہوتی تھی۔" (ایضاً، ص:۱۲۶)

ڈاکٹر جمیل جالبی نے جکریؔ کے حسب ذیل تین موضوعات بیان کیے ہیں:

(۱) ذکرِ رسول (۲) ذکرِ پیر و مرشد (۳) ذکرِ تجرباتِ باطنی و وارداتِ روحانی۔

پروفیسر گیان چند کہتے ہیں کہ اس فہرست میں نعت کے علاوہ حمد و منقبت کا بھی اضافہ کر دینا چاہیے۔ (تاریخ ادب اردو ۱۲۶/۵)

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات حتمی طور پر معلوم ہو گئی کہ منقبت، جکری کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے اور منقبت کا قدیم نام جکریؔ ہے۔ شاہ علی محمد جیو گام دھنی کے یہاں جا کر یہی جکری مکاشفہ کے نام سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ لا مناقشة فی الإصطلاح (اصطلاح میں کوئی جھگڑا نہیں)۔ محققینِ ادب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ پہلے جکری نویس شاعر مولانا وجیہ الدین ہیں اور جکری، منقبت کی ابتدائی شکل ہے تو اس اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ منقبت کے پہلے شاعر یا پہلے منقبت نگار شاعر مولانا وجیہ الدین (امیر خسروؔ کے ہم عصر شاعر) ہیں۔ لیکن جکری کو صحیح، مضبوط اور پائیدار شکل عطا کرنے اور مقبول بنانے کا سہرا شیخ بہاء الدین باجنؔ کے سر جاتا ہے۔ اس طرح وہ جکری کے استادِ اول کہلائیں گے۔ ☆☆☆

منقبت کی ادبی و صنفی حیثیت متعیّن کرنے کی ضرورت ہے

محمد شکیل احمد مصباحی، ریسرچ اسکالر کولھان یونیورسٹی، چائے باسہ، جھارکھنڈ

اردو زبان صوفیہ کرام کی آغوش میں پروان چڑھی اور ان کے سایۂ عاطفت میں نشو نما پائی۔ شہد سے زیادہ میٹھی اس زبان کو فرشِ زمیں سے اٹھا کر عرشِ بریں تک پہنچانے میں اس مقدس گروہ نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں انھیں تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ قدیم اردو کی ابتدا صوفیہ کرام اور مشائخِ عظام کے ہاتھوں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کا ابتدائی اور قدیم ادب اخلاق و تصوف کی گل کاریوں سے مزین ہے۔ ان بزرگوں نے نہ صرف اسلام کی تبلیغ و توسیع کے لیے ایک عام فہم زبان (اردو) کی داغ بیل ڈالی بلکہ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کی کتابوں کا بھی بغور مطالعہ کیا اور اخلاقیات پر مبنی ان کے فکر و فلسفہ کو نظم و نثر کے سانچے میں ڈھال کر ایک نئے اندازِ فکر کی بنیاد ڈالی اور بطریقِ احسن اصلاحِ امت کا مقدس فریضہ انجام دیا۔ حمد و نعت اور منقبت جنھیں "تقدیسی شاعری" کا بلند ترین مقام حاصل ہے، ان کے معمار اور بنیاد گزار بھی یہی صوفیہ کرام ہیں۔ سب سے پہلے انھیں پاک باز اشخاص نے حمد و نعت اور منقبت کے ترانے گائے۔ چمنِ ادب میں ان پاکیزہ اصناف کے حسین گل دستے سجائے اور اردو کے دامن کو حمد و نعت اور منقبت کے قیمتی جواہرات سے مالا مال کیے۔

میراں جی شمس العشاق کے نام سے کون واقف نہیں، آپ اردو کے قدیم اور اولین شعرا میں ہیں۔ ان کی وفات ۹۰۲ھ میں ہوئی۔ پانچ سو سال پرانے اس ہر دل عزیز شاعر کے کلام میں منقبت کے نمونے ملتے ہیں۔ یہ شعر دیکھیے جس میں موصوف نے حمد و نعت کے ساتھ منقبت کو بھی شامل رکھا ہے۔

اللہ، محمد علی امام، دائم اِن سوں حال
سب خاصوں سوں اللہ اللہ تو رکھوں کمال

میراں جی کے بعد شاہ علی جیو گام دھنی متوفی ۹۷۳ھ/۱۵۶۵ء کا دور آتا ہے۔ یہ وہ بزرگ شاعر ہیں جنھوں نے اسلامی مصطلحات کو پہلی بار اپنے دیوان "جواہر اسرار اللہ" میں جگہ دی اور امن و آشتی، اتحاد و یگانگت اور قومی یک جہتی کا درس عام کیا۔ مسئلۂ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ انھوں نے حمد و نعت اور منقبت کا مشترکہ ذکر ذیل کے اشعار میں کیا ہے۔

جیوں پھول کلی رنگ ولی وہی
جیوں نبی محمد علی وہی
پتوں علی محمد ولی وہی

ملّا غواصیؔ گیارہویں صدی ہجری کے نہایت معتبر اور قادر الکلام استاذ شاعر ہیں۔ یہ صدی ملا غوّاصیؔ کی صدی ہے اور سچ پوچھیے تو ملّا نے اردو شاعری کی خالی صراحی کو تقدیسی شاعری کے جام و سبو سے مملو کر دیا ہے۔

زمانے کے تقاضے اور عوام کے ذوق و مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے انھوں نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے اور حمد و نعت کے ساتھ منقبت کے اشعار خاص طور سے کہے ہیں۔ خلفاے راشدین بالخصوص مولا علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں عقیدت و محبت کا منظوم خراجِ عقیدت پیش کر کے آنے والے شعرا کے لیے ایک نئی صنفِ سخن کا راستہ ہموار کیا ہے۔

قسم کھاؤں میں سورۂ یٰسیں سوں
کہ حق بعد ہے جیوں میرا تین سوں
حمایت جو مج بس رہے تین کا
محمد، علی، ہوں محی الدین کا

جنوبی ہند کے شعراے متقدمین میں مختار ایک منفرد اور ممتاز حیثیت کے مالک شاعر گزرے ہیں۔ حضرت عثمان غنی اور حضرت مولی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں منقبتی اشعار لکھے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح و ستائش میں یہ اشعار دیکھیے۔

ولیاں کی انی بادشاہی کیا
کہ سب کو ولایت کا خلوت دیا
عجب شاہ محبوب ہے دل نواز
کہ سارے ولیاں کوں کیا سرفراز

ان کے علاوہ مختار نے سرکار غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اپنے مرشد شیخ عبدالصمد کی بھی مدح سرائی کی ہے۔

شعر و ادب کی دنیا میں ولی دکنی محتاج تعارف نہیں، ان کے نام اور کام سے اردو زبان و ادب کا طالب علم اچھی طرح واقف ہے۔ موصوف اردو شاعری کے اولین معماروں میں ہیں۔ ایک زمانے تک ان کو اردو شاعری کا بابا آدم تسلیم کیا جاتا تھا۔ ولی دکنی کی کلیات میں بھی منقبت کے اشعار درج ہیں۔

مندرجہ بالا شعرا مختلف عہد اور زمانے سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے اشعار سے منقبت نگاری کی قدامت، اردو زبان میں منقبت کی روایت اور اس کے ابتدائی نقوش کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ ایک ٹھوس علمی حقیقت اور تاریخی سچائی ہے کہ منقبت نگاری ایک قدیم صنفِ سخن ہے۔ نویں صدی ہجری جو اردو نظم و نثر کا ابتدائی دور ہے، اسی عہد سے منقبت ایک مستقل صنفِ سخن کی حیثیت سے حمد و مناجات، نعت، مثنوی اور قصیدہ کے شانہ بہ شانہ نظر آنے لگتی ہے اور اپنے وجود کا احساس دلانے لگتی ہے۔ ہمارے دعویٰ کی دلیل کے لیے نصیر الدین ہاشمی کی کتاب "دکن میں اردو" کا مطالعہ کریں۔

منقبت نگاری ایک پاکیزہ، مقدس اور قدیم فن ہے۔ عہدِ صحابہ و تابعین میں بھی منقبت نگاری کا چلن عام تھا، نام بدلا ہوا تھا لیکن مقصد ایک تھا۔ زمانۂ قدیم میں قصیدہ کے ذریعہ منقبت کا کام لیا جاتا تھا اور جب کسی عظیم علمی اور روحانی شخصیت کے فضائل و کمالات کا اظہار اشعار کی شکل میں کیا جاتا تو اسے بھی "قصیدہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ حمد و نعت کی طرح منقبت بھی اسلامی ادب کا ایک اٹوٹ حصہ ہے۔ عہدِ صحابہ سے آج تک منقبت نگاری کا تسلسل برقرار ہے۔ اربابِ شعر و سخن عہد بہ عہد اپنے سلسلے کے بزرگوں اور مشائخ کے فضائل و مناقب رقم کرتے رہے ہیں۔ شعرا عام طور پر سلاطینِ زمانہ، حکامِ وقت اور اہلِ ثروت کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہے، مگر علماے کرام اور مذہب پسند شعرا اولیاے کرام اور بزرگانِ دین کی شان میں منقبت کے اشعار رقم کرتے رہے اور اس طرح منقبت نگاری ایک مستقل صنفِ سخن کی حیثیت سے عروج و ارتقا کی منزلیں طے کرتی رہی اور آج عالم یہ ہے کہ پاکیزہ اصنافِ سخن میں نعت کے بعد سب سے زیادہ منقبت لکھی جا رہی ہے۔

حمد و نعت اور منقبت کا شمار پاکیزہ اصنافِ سخن اور تقدیسی شاعری میں ہوتا ہے۔ اگر حمد و نعت شاعری کی مانگ کا سندور ہے تو بلا مبالغہ منقبت شاعری کے ماتھے کا جھومر ہے۔

اردو زبان میں حمد و مناجات، نعت و مثنوی اور قصیدہ و مرثیہ کے ساتھ "منقبت نگاری" کی بھی ایک بڑی شان دار اور توانا روایت موجود ہے۔ منقبت دیگر اصنافِ سخن کے مقابل اپنے موضوع کے بنا پر پہچانی جاتی ہے اور وہ اس طور پر کہ "منقبت وہ مدحیہ صنفِ سخن ہے جس میں صحابۂ کرام، خلفاے راشدین، ائمۂ کرام یا اولیا و صوفیۂ عظام کی تعریف و توصیف کی گئی ہو۔" (فرہنگِ ادبیات، ص:۵۴۱)

فارسی میں منقبت نگاری کی روایت عربی قصائد کی مرہونِ منت ہے اور اردو میں منقبت نگاری در اصل فارسی کی دین ہے۔ فارسی

زبان میں منقبت کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ بڑے بڑے مشائخ اور کاملانِ طریقت نے منقبت کے اشعار کہے ہیں۔حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے حضرت داتا گنج بخش لاہوری کے مزار پر انوار پر ۴۰؍ دنوں تک چلّہ کشی کی اور جب واپس ہونے لگے تو داتا گنج بخش کی شان میں مندرجہ ذیل منقبتیہ شعر کہا، جو آج بھی مشہور و مقبول ہے۔

گنج بخش، فیضِ عالم، مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را رہنما

سرکارِ غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری کا مدحیہ شعر ہے۔

من آمدم بہ بیش تو سلطانِ عاشقاں
ذاتِ تو است قبلۂ ایمانِ عاشقاں

غرض کہ فارسی زبان میں اولیا و مشائخ کی مدح و ستائش میں ہزاروں اشعار تحریر کیے گئے ہیں۔

جب فارسی کا دورِ اقبال انحطاط پذیر ہوا اور اردو زبان عام ہوئی تو منقبت نگاری بھی اسی زبان میں ہونے لگی۔ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں منقبتیہ اشعار لکھے گئے اور عہد بہ عہد اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ آج منقبت نگاری کا ننھا سا پودا تناور درخت بن چکا ہے۔

قدیم اساتذۂ سخن کے دواوین و کلیات میں ہزاروں اشعار ایسے ہیں جو براہِ راست منقبت سے تعلق رکھتے ہیں۔ جدید دور کے شعرا کے مجموعۂ کلام اٹھا کر دیکھیے تو آپ کو لاکھوں کی تعداد میں منقبتیہ اشعار ملیں گے۔

جس طرح اردو شاعری کے ابتدائی نمونے سرزمینِ دکن میں نظر آتے ہیں، اسی طرح اردو قصائد اور مناقب کے اولین نقوش بھی اسی دکن کی دھرتی پر نمودار ہوتے ہیں۔ قطب شاہی، عادل شاہی، نظام شاہی اور عماد شاہی دور کے شعرا میں ملا قطبی، نصرتی، امین الدین اعلیٰ، رستمی اور ہاشمی وغیرہ نے قصائد کے ساتھ اردو مناقب کو بھی اپنی شاعری کا جزوِ لاینفک بنایا ہے۔ ”دکن میں اردو“ نامی کتاب کے مختلف صفحات پر تقریباً ایک درجن دکنی شعرا وہ ہیں جن کے کلام میں منقبت کے اشعار پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں اردو کے مسلم الثبوت شعرا مثلاً شیخ حاتم، مرزا رفیع سودا، مصحفی، میر تقی میر، منیر شکوہ آبادی، بہادر شاہ ظفر، ڈاکٹر اقبال، میر حسن، نظیر اکبر آبادی، شاد عظیم آبادی، راسخ عظیم آبادی وغیرہم نے منقبت کے اشعار کہے ہیں۔ یہ وہ شعرا ہیں جن کی شعری عظمت اور فنی مہارت کا ایک جہان قائل ہے اور اردو شعر و ادب میں جن کے نام کا سکہ چلتا ہے۔

علماے اہل سنت میں امام احمد رضا محدث بریلوی، مفتی اعظم ہند، حسن رضا خاں بریلوی، حضرت صدر الافاضل، محدثِ اعظم ہند، حضور احسن العلما، نظمی مارہروی، مولانا کفایت علی کافی مراد آبادی، حضرت امیر مینائی، عبد القادر بدایونی، شاہ نیاز بریلوی، کرامت علی شہیدی، شاہ حفیظ الدین لطیفی، مولانا صدیق صادق سہسرامی، مولانا شرف الدین بھاگل پوری وغیرہم نے کثرت سے اپنے ممدوح علما و مشائخ کی شان میں منقبت کے اشعار لکھ کر اردو منقبت نگاری کو زمین کی پستیوں سے اٹھا کر ساتویں آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا ہے۔ یقین نہ آئے تو ان علماے اہل سنت کے مجموعۂ کلام پر ایک سرسری نگاہ ڈالیے، آپ کو منقبت کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ نظر آئے گا۔ دورِ حاضر کے نعت گو شعرا میں ایک کثیر تعداد منقبت نگاروں کی ہے۔ یہ سچ ہے کہ صرف منقبت نگاری پر کسی شاعر نے اکتفا نہیں کیا ہے، لیکن اس فن سے بے اعتنائی بھی تو نہیں برتی ہے۔ شعر و ادب کے اس دور قحط سالی میں بھی منقبت نگاری دن بہ دن عروج و ارتقا کی منزلیں طے کر رہی ہے اور آنکھیں اٹھا اٹھا کر محققینِ ادب کو دعوتِ فکر و عمل دے رہی ہے اور ان سے انصاف کا مطالبہ کر رہی ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ منقبت نگاری کو ایوانِ ادب میں مستقل حیثیت دی جائے اور اس کی ادبی و صنفی حیثیت متعیّن کرتے ہوئے مختلف جہتوں سے اس گوشۂ ادب پر خاطر خواہ کام کیا جائے اور دیگر اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کرنے والوں کی طرح منقبت نگار شعرا کے فکر و فن کو سراہا جائے اور ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

☆☆☆

جلال پور میں ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

مولانا محمد اسرائیل صاحب

مدرس مدرسہ ندائے حق

محلہ دلال ٹولہ، جلال پور، امبیڈکر نگر (یوپی)

نقد و نظر

نام کتاب: محامدِ رب (حمدیہ دیوان)
شاعر : ڈاکٹر صابر سنبھلی
صفحات : ۱۴۴ قیمت : ۱۰۰
اشاعت : ۲۰۱۴ء
ناشر : ڈاکٹر صابر سنبھلی، سیف خاں سرائے، سنبھل (یوپی)
مبصر : مہتاب پیامی payamee@gmail.com

"حمد کے لغوی معنیٰ تعریف کرنے، خوبیاں بیان کرنے، بڑائی و بزرگی کا اقرار کرنے، حاجت روا اور مشکل کشا ماننے اور اپنا مالک و آقا تسلیم کرنے کے ہیں، لیکن یہ لفظ کسی مخلق کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا، کیوں کہ لفظ حمد صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے ہی مخصوص ہے۔ ویسے کسی مخلوق کی تعریف متقاضی ہو تو اس کے لیے "مدح" کی جا سکتی ہے، اس لیے کہ یہ لفظ کسی زندہ، مردہ، جمادات، حیوانات، چرند پرند حتیٰ کہ روٹی، کپڑا اور مکان کے لیے بھی بول سکتے ہیں۔ علماے متاخرین کا قول ہے کہ اپنے زبان و قلم سے معبود حقیقی کی تعریف بیان کرنے کو حمد کہا جاتا ہے۔"

"حمدیہ شعری مجموعوں کا معاملہ کچھ عجیب سا ہی رہا ہے کہ نعتیہ شعری مجموعوں کی تعداد اگر سیکڑوں میں ہے تو حمدیہ مجموعے درجن بھر بھی مشکل ہی سے ہوں گے۔ اب سے کوئی سو سال پہلے تک تو اردو میں حمدیہ مجموعہ ایک بھی نہیں تھا۔ ۱۹۱۲ء میں آگرہ سے پہلا حمدیہ مجموعہ آیا جو مضطر خیر آبادی کا تھا۔ دوسرا حمدیہ مجموعہ اس سے کوئی ۷۲ر سال بعد ۱۹۸۴ء میں آیا۔ "الحمد" کے نام سے یہ مجموعہ مظفر وارثی کا تھا جو لاہور سے شائع ہوا۔ (افسوس کہ مظفر وارثی حال ہی میں ۲۸ر جنوری ۲۰۱۱ء کو وفات پا گئے) پھر ۱۹۸۶ء میں حافظ لدھیانوی کا حمدیہ مجموعہ "ذوالجلال والکرام" بھی لاہور سے آیا۔ پھر کچھ حضرات نے مختلف شعرا کی حمدیں جمع کر کے کتابی صورتوں میں شائع کیں۔ ایک دو حمدیں تو نعتیہ مجموعوں کا حصہ بھی رہتی ہیں۔ تاہم کچھ شعرا نے حمد و نعت کے مشترکہ مجموعے شائع کیے تو حمدوں کا بھی کچھ بہتر تناسب شامل کیا۔ میرے حمد و نعت کے مجموعہ "مدحت سرائی" (مطبوعہ ۲۰۰۶ء) آیا تو اس میں کوئی ۲۳ر حمد و مناجات تھیں۔ راجا رشید محمود نے ۱۹۸۸ء میں ماہ نامہ "نعت" لاہور شروع کیا تو اس کا پہلا شمارہ "حمد نمبر" شائع کیا۔ ادبی رسائل "نعت نمبر" تو اکثر شائع کرتے رہتے ہیں مگر "حمد نمبر" سامنے نہیں لاتے۔ میں نے اپنا ادبی رسالہ سہ ماہی "خیال و فن" لاہور/دوحہ، قطر جنوری ۱۹۹۵ء میں شروع کیا تھا اور فروری ۱۹۹۹ء میں اس کا ضخیم حمد نمبر شائع کیا تھا جس میں حمدیہ مضامین کے علاوہ ڈیڑھ سو سے زائد حمدیں جمع کی گئی تھیں۔ فروغِ حمد کی میری شعوری کوششیں پہلے ہی سے جاری تھیں۔ قطر کی قدیم ترین ادبی تنظیم "بزم اردو قطر" ۱۹۵۹ء سے جاری ہے۔ ۱۹۹۳ء میں جب میں اس کا صدر بنا تو میں نے اس کے سالانہ حمدیہ طرحی مشاعرے کی بنیاد ڈالی، جب کہ اس سے قبل صرف سالانہ نعتیہ طرحی مشاعرے ہی بزم نے کرائے تھے۔ اب برسوں سے دونوں سلسلے ساتھ ساتھ جاری ہیں۔ کراچی میں طاہر سلطانی کا نام فروغ حمد کے سلسلے میں بے حد نمایاں ہے۔

اس سلسلے کی ایک تازہ کاوش "محامدِ رب" (حمدیہ دیوان) اس وقت میرے پیشِ نظر ہے۔ یہ معروف شاعر و ادیب ڈاکٹر صابر سنبھلی کا مجموعۂ کلام ہے جس کا تاریخی نام "ہو السبوح الغفار" (۱۴۳۰ھ) ہے۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی کی اس سے قبل مختلف موضوعات پر ۳۸ر کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں جو تمام کی تمام ادبی موضوعات پر مشتمل ہیں۔ پوری کتاب ۹ر ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب: دیباچۂ دیوان۔ دوسرا باب محامد۔ تیسرا باب: مسدس، چوتھا باب: ابیات، پانچواں باب: رباعیات، چھٹا باب: قطعات، ساتواں باب: تضامین، آٹھواں باب: دوہے، نواں باب: قطع تاریخ طباعت۔

دیباچۂ دیوان میں شاعر نے حمد و مناجات کی تاریخ و تعریف پیش کی ہے۔ بابِ محامد میں غزل کی ہیئت میں ۶۸ر حمدیہ کلام شامل ہیں۔ جہاں تک میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا، ڈاکٹر صابر سنبھلی کی ندرتِ فکر نے مجھے اپنا اسیر بنا لیا۔ محامد کے باب میں کئی ایک ایسے کلام مجھے نظر آئے جن کی زمینیں عمومی شاعری سے جداگانہ ہیں۔ نئے قوافی اور جدید ردیفوں پر کلام کہنا، پھر اس کے ساتھ معنیٰ آفرینی انتہائی مشکل امر ہے۔ انتہائی آسان "ہندوستانی" میں یہ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

میں ہوں یارب گناہ گار نپٹ — دور کر دے مرے مزاج سے ہٹ
دور ہو جائے میرے دل سے کپٹ — اور لب پر ہو تیرے نام کی رٹ
خوف سے تیرے ایسی حالت ہو — چین پاؤں نہ میں کسی کروٹ

"سچ مچ" ردیف پر ایک حمد کے چند اشعار دیکھیے۔

ہے رب اکبر کریم سچ مچ کبیر سچ مچ، عظیم سچ مچ
جو بندے اس کو رکھیں گے راضی عطا کرے گا نعیم سچ مچ
سوائے اس کے سبھی ہیں حادث وہی ہے تنہا قدیم سچ مچ

پھر یہ اشعار بھی ملاحظہ کیجیے۔

اے خدا فضل کر، لطافت بھیج اپنے بندوں پہ اپنی رحمت بھیج
حق و باطل کی جنگ جاری ہے حق ہو غالب، کریم! نصرت بھیج
جس میں صابرؔ کی ہو قبول دعا میرے اللہ، ایسی ساعت بھیج

مذکورہ بالا دونوں کلام کی ردیفیں ایسی ہیں کہ شاید ہی کسی اور نے ان پر کچھ کہنے کی جسارت کی ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ نئی ردیفوں کے ساتھ تجربات کرنے میں بعض اوقات ایسے ایسے معانی پیدا ہوتے ہیں، افکار کے ایسے ایسے جہانوں کی سیر ہوتی ہے جہاں عام ذہن نہیں پہنچ سکتا۔ صابر سنبھلی اس سلسلے میں مبارک باد کے مستحق ہیں۔ یہ ان کی فکری پختگی اور ذہنی بالیدگی کا کرشمہ ہے جو انھوں نے سخت زمینوں پر افکار کا گلزارِ نو آباد کیا۔ ذیل میں ہم ان کی ردیفوں کی اجمالی فہرست نقل کرتے ہیں:

دھوپ، صریح، معبود، گھمنڈ، لذیذ، شام و سحر، چھوڑ، ربِّ بے نیاز، کثر، ہے بس، ہے تو ہی بس لائقِ پرستش، خاص، عرض، فقط، مالکِ لوحِ محفوظ، فی الواقع، خالق، تیرے قبضے میں ہیں حیات و مرگ۔ مذکورہ ردیفوں پر ایک ایک شعر بطور نمونہ نقل کیے جاتے ہیں۔

اِس عہد میں ہے چاروں طرف رنج و غم کی دھوپ
یا رب مجھے بچا کہ ہے بھاری الم کی دھوپ

حکم ہو تیرا تو کچھ دور نہیں مجھ سے حرم
ظاہراً دیکھنے میں جسم ہے بیمار صریح

تیرا پانا نہیں آسان یہ میں جانتا ہوں
تجھ کو پاتا ہے بشر خود کو مٹا کر معبود

کیا نہیں معلوم تجھ کو، رب کو ہے یہ ناپسند
اے بشر ناچیز بندے، بھول کر مت کر گھمنڈ

اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے سامان لذیذ
اور دیتا ہے تو ہی کھانے کو پکوان لذیذ

جو بھی ہوں تیرا کرم ہے ورنہ میرا حال ہے
جس طرح ہو کوئی تنکا گھاس کا پامال کثر

حال پر میرے کر عنایت خاص
میرے حصے میں لکھ دے رحمت خاص

غیر ممکن کو جو کرے ممکن
تو ہی رکھتا ہے ایسی طاقت صرف

اس طرح کے منفرد حیثیت کے حامل اشعار پوری کتاب میں جابہ جا بکھرے ہوئے ہیں۔ ہم اس مختصر مضمون میں شاعر کے کلام کی خوبیوں کو کما حقہ بیان نہیں کر سکتے، البتہ ڈاکٹر صابر سنبھلی کا بیان ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

"پروفیسر سید شاہ طلحہ رضوی برق نے پاکستان میں پچاس سے زیادہ مجموعہ ہائے حمد شائع ہونے کی زبانی روایت بیان کی ہے جس میں راوی کا کوئی پتہ نشان نہیں ہے، اس پر جرح کرنا بھی مناسب نہیں ہے۔ ایسی روایتیں اکثر موضوع کے سیاق و سباق میں بیان ہوتی رہی ہیں۔ مجھے یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ پروفیسر صاحب نے مجموعوں کا ذکر ہی کیا ہے، کہیں کسی حمدیہ دیوان کا ذکر نہیں کیا ہے۔ مجھے بڑی تلاش اور تگ و دَو کے بعد اردو میں ایک حمدیہ دیوان کی طباعت کی اطلاع ملی ہے۔ اس کے شاعر ہیں مولانا محمد حسین تمنا مراد آبادی مرحوم۔ اس دیوان میں اردو اور فارسی دونوں زبانوں کا حمدیہ کلام ہے۔ لیکن اردو کے کل حروفِ تہجی کی ردیفیں نہیں ہیں۔ ایسے دو چار دواوین اور بھی ہو سکتے ہیں اس کے باوجود میرے اس دیوان کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ شاید اس سے پہلے تمام حروفِ تہجی کی ردیفوں/قوافی میں حمدیہ غزلیں کہنے کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہوئی۔" (محامد رب، ص:۱۰،۱۱)

ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب نے خود کو پہلا حمد کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر کہا ہے، لیکن یہ محلِ نظر ہے، راقم الحروف کی نظروں سے ایسے چند ایک دواوین گزر چکے ہیں جن کو مطلقاً حمدیہ دیوان کہا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک دیوان ڈاکٹر شاداب ذکی بدایونی کا بھی ہے۔

بابِ مسدس میں ایک مسدس (چھ مصرعوں پر مشتمل کلام) شامل ہے۔ البتہ اس میں وہ شان نظر نہیں آتی جو غزل فارمیٹ کی حمدوں میں ہے۔ بابِ ابیات بطرز مثنوی ہے۔ اس میں کل پانچ کلام شامل ہیں جن کی زبان انتہائی سلیس ہے، گمان گزرتا ہے کہ شاعر نے وقتاً فوقتاً رسائل اور

اخبارات کے گوشۂ اطفال کے لیے یہ اشعار کہے ہوں گے۔ بابَ رباعیات میں کل سات رباعیات شامل ہیں لیکن یہ بھی باب محامد کی طرح اثرانگیز نہیں ہیں۔

بابِ قطعات میں کُل گیارہ قطعات شامل ہیں۔ شاعر نے ان تمام گیارہ فن پاروں کو قطعات کے عنوان کے تحت جمع کیا ہے، میرے خیال سے بہتر یہ ہوتا کہ انھیں قطعات کے کے عنوان سے پیش کرنے کے بجاے ''متفرقات'' کے عنوان سے پیش کیا جاتا۔ جس طرح غزل اور رباعی کی ہیئتیں متعیّن ہیں اسی طرح قطعہ کی ہیئت بھی متعیّن ہے۔ رباعی کے لیے سب سے پہلی شرط بحر کی ہے، پھر دوسری شرط رباعی میں تین مصروعوں (پہلا، دوسرا اور چوتھا) کا ہم قافیہ یا ہم قافیہ و ہم ردیف ہونا ضروری ہے۔ تیسری اہم شرط رباعی کی یہ ہے کہ چوتھے مصرعے سے افکار کی بلندی کا مظاہرہ ہونا چاہیے۔ یہ تینوں شرطیں مل کر رباعی کو ایک وقار عطا کرتی ہیں۔ اب آئیے قطع کی طرف۔ قطعہ کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ اس میں مطلع نہ ہو اور دوسری شرط موضوع کا تسلسل ہے۔ یعنی قطعہ میں جس موضوع کے تحت شعر کہے جارہے ہیں، وہی شروع سے آخر تک ہونے چاہئیں (اس طرح ہم قطع کو مختصر نظم بھی کہہ سکتے ہیں)۔ قطع ہمیشہ بغیر مطلع کا ہوتا ہے، لیکن زیرِ تبصرہ مجموعۂ کلام میں تمام قطعات میں مطلع کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس طرح شاید صابرؔ صاحب نے ندرت پیدا کرنے کی کوشش ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ درست نہیں۔

بابِ تضامین میں کل پانچ تضامین شامل ہیں۔ اربابِ ذوق کو یقیناً پسند آئیں گی۔ البتہ انھیں اور بہتر بنانے کی ضرورت تھی۔

آخر میں ایک نظم دوہا کی ہیئت میں ہے اس کے تین شعر ''خطاب بہ خالق'' اور تین ہی شعر ''خطاب بہ مخلوق'' کے عنوان سے پیش کیے گئے ہیں۔ یہ نظم بھی قابلِ توجہ ہے۔

مجموعی اعتبار سے دیکھا جائے تو حمدیہ دیوان ''محامدِ رب'' بلاشبہہ لائقِ مطالعہ ہے، پروف ریڈر کی غلطیاں نہیں کے برابر ہیں، البتہ کمپوزر نے کہیں کہیں مصرعوں کو اس قدر سکوڑ دیا ہے کہ گراں گزرتے ہیں۔ صفحات پر گنجائش ہونے کے باوجود اگر مواد کو Condenced کیا جائے یا Expand کے ذریعہ پھیلایا جائے یہ دونوں صورتیں کتاب کے لیے عیب مانی جاتی ہیں۔

☆☆☆

(ص:۳۲ کا بقیہ)....ساکن ناسک، درگاہ محلہ، رکن جلیل ندوہ نے بھی اس صریح وجلیل فتویٰ پر مہر ثبت فرمائی اور اقوال ندوہ پر ضلالت وگمراہی والحاد وغیرہ جملہ مراتب مندرجہ فتویٰ کی نسبت صاف لکھ دیا کہ: المجیب مصیب فیما قال (مجیب نے جو کچھ بیان کیا سب حق ہے)۔ والحمدللہ رب العالمین۔

(رسائل حسن، مطبوعہ: رضا اکیڈمی ممبئی، ۲۰۱۲ء/ ۱۴۳۳ھ، ص:۵۷۸)

ندوہ کے خلاف موجود فتوے کی تصدیق کرنے والوں میں آپ کے دونوں صاحب زادگان سید امام الدین احمد گلشن آبادی اور سید محمد گلشن آبادی کا نام بھی شامل ہے۔

سید عبدالفتاح گلشن آبادی کی فقہی خدمات بھی قابل صد رشک ہیں، علم فقہ وحدیث اور تصنیف وسلوک میں آپ کی حذاقت، زبان وبیان پر آپ کی ماہرانہ دست رس اور تاریخی کتب وتحقیقات پر آپ کی گہری گرفت کا اندازہ تیس سے زائد آپ کی گراں قدر تصنیفات وکتب سے بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے، جن کے موضوعات میں بلا کا تنوع اور رنگارنگی ہے۔ جو آپ کی عربی وفارسی دانی کا منہ بولتا ثبوت ہیں، آپ کی اردو تصانیف بھی زبان وبیان کی خوبیوں سے لذت آشنا ہیں۔

ان تمام حقائق کے علاوہ آپ کے اخلاق وکردار اور عادات وخصائل کی شفافیت بھی قابل ذکر ہے جو خالص اسلامی وخانقاہی رنگ وروپ میں جلوہ گر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ جہاں بھی رہے اپنے بلند اخلاق اور مذہبی رواداری وخیر خواہی کی وجہ سے مرجع علما بھی رہے اور مرجع انام بھی، اور آپ کے گرد چاہنے والوں کا ایک حلقہ موجود رہا، یہ بہت بڑی چیز ہے۔

آپ نے دو شادیاں کیں، پہلی پیر زادہ خاندان کی ایک بی بی شرف النساء سے ہوئی، ان کی وفات کے بعد دوسری شادی ۱۲۵۶ھ میں عائشہ بی بی سے کی، دو سعادت بیٹے مولوی سید امام الدین احمد گلشن آبادی اور سید سراج الدین محمد گلشن آبادی اپنے پیچھے یادگار چھوڑے۔ اول الذکر صاحبزادے بھی صاحب علم اور صاحب تصانیف مشہور ہیں جن کی تصانیف میں برکات الاولیا معروف ومتداول ہے۔

۱۵/صفر ۱۳۲۳ھ/ ۲۰/ اپریل ۱۹۰۵ء کو ممبئی میں سید عبد الفتاح گلشن آبادی کا وصال ہوا اور ممبئی کی مشہور جامع مسجد، مینارہ مسجد کے تہ خانے میں سمت مغرب سپرد خاک کیے گئے۔ ''ابر رحمت ان کی مرقد پر گہر باری کرے''۔ آمین ☆☆☆

منظومات

نعتِ رسولِ اکرم ﷺ

ہزار رنگ کے پھولوں سے ڈھک گئی دنیا
وہ کائنات میں آئے، مہک گئی دنیا

جمالِ سیدِ کونین کے کف پا کی
مثال ڈھونڈنے نکلی تھی، تھک گئی دنیا

یہ باغِ دہر میں ورنہ انا کی ٹہنی تھی
وہ آئے شاخ کی صورت لچک گئی دنیا

جہاں جہاں سے وہ گزرے، جدھر جدھر وہ گئے
اُسی دیار کی جانب لپک گئی دنیا

بہت قریب ہے اطہرؔ یہ پھوٹ جائے گی
کہ ظلم و جورِ مسلسل سے پک گئی دنیا

حسن رضا اطہر (بوکارو)

نعتِ رسولِ اکرم ﷺ

یہ خدا جانے وہ اور کیا کیا لگے
نور ہی نور جس کا سراپا لگے

مرحبا، نورِ احمد کا یہ فیض ہے
مرتبہ ابنِ آدم کا اونچا لگے

دیکھنے والوں سے ہم نے اکثر سنا
خلد کا ایک ٹکڑا مدینہ لگے

اللہ اللہ رے عظمتِ مصطفیٰ
عرش ہی جن کا نقشِ کفِ پا لگے

اسوۂ مصطفیٰ کا جو تابع نہ ہو
زندگی اس کی آفاق دھوکا لگے

ڈاکٹر آفاق فاخری (جلال

نعتِ رسولِ اکرم ﷺ

چلو کچھ اس طرح ایمان تازہ کر لیا جائے
نبی کی نعت سے لفظوں پہ غازہ کر لیا جائے

مدینے میں اگر جانے کا شوق و قصد رکھتا ہے
تو ہر چاہت سے اب دل کو کنارہ کر لیا جائے

بسانا ہے اگر دل میں محمد کی محبت کو
تو لوحِ دل کے ہر خانہ کو سادہ کر لیا جائے

ہے شوقِ نعت گوئی تو محبت سے، عقیدت سے
رضا کی نعت سے کچھ استفادہ کر لیا جائے

اگر محشر کی رسوائی سے بچنا ہے وصیؔ صاحب
کوئی تحریر نعتوں کا ترانہ کر لیا جائے

وصی مکرانی واجدی، سرلاہی (نیپال)

نعتِ رسولِ اکرم ﷺ

نوٹ: اس نظم کو چار طریقوں سے پڑھیں (۱) پورے پورے مصرعے پڑھیے (۲) بریکیٹ میں درج الفاظ کو بریکٹ سے پہلے درج الفاظ سے ملا کر پڑھیے (۳) بریکٹ میں درج حصے کو بعد میں درج حصے سے ملا کر پڑھیے (۴) صرف بریکٹ میں درج الفاظ کو پڑھیے۔

اے خدا (اے خدا، اے خدا) ہو کرم — کبریا (میں ہوں بندہ ترا) ہو کرم
روز و شب (ہو وظیفہ مرا) ہو کرم — مصطفیٰ (مصطفیٰ مصطفیٰ) ہو کرم
مرتے دَم (لب پہ ہو، یا خدا!) ہو کرم — یا ہو پھر (اے مرے مصطفیٰ!) ہو کرم
یا نبی (غم کا مارا ہوا) ناتواں — آپ کے (قدموں میں آگیا) ہو کرم
عرض ہے (بندہ ہوں آپ کا) یا نبی — آپ ہیں (سید الانبیا!) ہو کرم
واقعی (میں گنہ گار ہوں) سیدی — ہو کرم (یا حبیبِ خدا!) ہو کرم

دیکھیے (ہاتھ پھیلائے ہے) دیر سے
در پہ اک (صابرِ بے نوا) ہو کرم

ڈاکٹر صابر سنبھلی، سنبھل

صدائے بازگشت

ماہ نامہ اشرفیہ کے مشمولات حالاتِ حاضرہ کے عکاس ہیں

مکرمی!.....سلام مسنون

اگست ۲۰۱۴ء کا ماہ نامہ اشرفیہ نظر نواز ہوا، تمام مشمولات اداریہ تا خیر و خبر حالاتِ حاضرہ کے ترجمان و عکاس ہیں، کلی یا جزوی طور پر ہی ہیں مگر ہیں۔ ماہ نامہ اشرفیہ کی یہی خصوصیت اسے دیگر رسائل سے ممتاز کرتی ہے اور اس سے مدیر کی بصیرت، صلاحیت و محنت کا پتہ چلتا ہے، خصوصاً دو مضمون "اہلِ سنت میں اسلوبیاتی بحران ایک جائزہ" محمد عابد چشتی کا اور ذیشان احمد مصباحی کا "احیاے تصوف کی دعوت: چند قابلِ غور پہلو" میرے نزدیک زیادہ اہم ہیں۔ محمد آصف اقبال کا "طہارت فطرت کا ایک اہم تقاضا" بھی پاکی و صفائی ستھرائی کی ترغیب دینے کے لیے بہت اچھا اور علمی انداز میں لکھا گیا ہے۔

مولانا عابد چشتی صاحب کا مضمون پڑھ کر تو یہی لگا کہ "جو کہی گئی نہ مجھ سے وہ زمانہ کہہ رہا ہے" چند خطابی اور شاعرانہ تک بندیوں کی مثال دے کر عرض کرتے ہیں "اہلِ سنت و جماعت میں ادبی میدان کا یہ وہ بحران ہے جسے اسٹیجوں کی زینت بنے بے ذوق لوگوں کی حوصلہ افزائی مزید تقویت پہنچا رہی ہے۔" یہ تو صحیح ہے مگر زینتِ اسٹیج باذوق لوگوں کی خاموشی بھی ایک مجبوری ہے، کیوں کہ کسی اسٹیج پر کوئی نغمہ خواں چند خالص نعتیہ اور منقبتیہ اشعار کے بعد جب یہ شعر پڑھتا ہے۔

مرغا نہ سہی کالے کوّے کی ہی بوٹی
تبلیغی جماعت کی پتیلی میں ملے گی

تو اس شعر پر اہلِ سنت کے جذباتی عوام بالخصوص نوجوانوں کی طرف سے زبردست داد ملتی ہے اور خالص نعتیہ و منقبتیہ اشعار سے بہت زیادہ اس شعر پر نعرے بازی ہوتی ہے۔ ایسے میں اگر کوئی سنجیدہ، باذوق فرد تنبیہ کرے تو اس پر فوراً صلحِ کلی کا لیبل چسپاں کر دیا جائے گا، یہی خوف ہے جو باذوق افراد کو بھی خاموش رکھتا ہے۔ مذکورہ شعر میں "کالے کوے" کا پس منظر کیا ہے، اچھل کود کر نعرہ لگانے والوں کو شاید ہی معلوم ہو۔ اس طرح کی خطابت یا نغمہ خوانی اسلوبی ادبی بحران تو ہے ہی، اس سے جماعت کا بھی بڑا نقصان ہو رہا ہے، فائدہ صرف خطیب اور نغمہ خواں کو ہے۔

دوسری طرف ادبی اسٹیج کا حال بھی بہتر نہیں ہے۔ مشاعروں میں بھیڑ جمع کرنے اور مالی منفعت کے لیے چند شاعرات کو بلانے کا رواج عام ہو گیا ہے۔ اسٹیج پر کامیابی کی ضمانت اچھی آواز، ترنم اور رومانیت زدہ جنسی جذبات کو ابھارنے والے گیت اور نغمے ہی رہ گئے ہیں۔ سنجیدہ معیاری اشعار پیش کرنے والے شعرا بمشکل ایک آدھ کلام پڑھ پاتے ہیں۔

ذیشان احمد مصباحی اپنے مضمون "احیاے تصوف کی دعوت" میں حسنِ اخلاق اور خدمتِ خلق کی سرخی کے تحت عرض کرتے ہیں کہ "دوسری طرف اس سے نئے زمانے میں اسلامی دعوت کی راہ ہموار ہوتی ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ پرانے زمانے میں بھی انھیں دونوں صفتوں کی وجہ سے اسلامی دعوت کی راہ زیادہ ہموار ہوئی ہے بہ نسبت اور صفت اور وجہ کے۔ مثلاً حضور ﷺ روزانہ کوڑا کرکٹ ڈالنے والی بڑھیا کے بیمار ہونے پر اس کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے جاتے ہیں۔ حضور کا یہ عمل دیکھ کر بڑھیا مسلمان ہو جاتی ہے تو یہاں حسنِ اخلاق اور صبر و تحمل کا اثر ہے اور حضور سے ہی دور ہونے کے لیے ایک بڑھیا اپنے سامان کی گٹھری لیے سرِ راہ کسی مددگار کی منتظر ہے حضور ﷺ اس کی گٹھری اٹھا کر بڑھیا کو منزلِ مقصود تک پہنچا کر بلا اجرت لیے واپس ہونا چاہتے ہیں تو بڑھیا حضور ﷺ کو جاننا اور پہچاننا چاہتی ہے اور جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی ہیں جن سے دور ہونے کے لیے میں مکہ سے باہر آئی ہوں تو اس کو اس کا ضمیر ملامت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ نادان ایسی ہستی سے دور نہیں قریب ہونے کی ضرورت ہے اور وہ کلمہ پڑھ کر حضور کی غلامی اختیار کر لیتی ہے تو یہاں خدمتِ خلق کا اثر ہے۔ اسی طرح بتدریج بعد کے ادوار میں جیسے صحابۂ کرام، تابعین کرام، ائمۂ مجتہدین اور اولیاے عظام کے حسنِ اخلاق اور خدمتِ خلق سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرنے والوں کے واقعات سے تاریخ کے اوراق بھرے ہوئے ہیں۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ نئے زمانے میں اس کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے، کیوں کہ طاقت و قوت جبر و تشدد اور لالچ سے مسلم تو بنا سکتے ہیں مومن نہیں۔ فقط والسلام

محمد خلیل مصباحی چشتی، عزیز نگر، مبارک پور، اعظم گڑھ

مدارس، صاحبانِ مدارس اور طلبۂ مدارس

مکرمی!.....سلام مسنون

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ دینی احکام کی تفہیم، تبلیغ، تفسیر، تحقیق اور تعلیم کے مراکزِ اعلیٰ مدارس اسلامیہ ہیں، مدارس اسلامیہ ہی ہیں جو بندگان خدا اور طالبان خدا کے قلوب و اذہان کو علوم و تعلیمات

اسلامیہ کے ضیائے لازوال سے منور و مجلیٰ کرتے ہیں ، یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مدارس نہ ہوتے تو اب تک اسلامی تعلیمات اپنے دم توڑتے ہوئے نظر آتے ،اس کی روح فرسودہ ہوجاتی اور کائنات کا چین و سکون غارت ہوجاتا،دنیا برائی اور بے حیائی کے دلدل میں مزید چلی جاتی ،مدارس کے فیض و کرم ہیں ورنہ اہل زمانہ نے دیکھا ہے کہ ہوسناک نگاہوں اور نجی خواہشات نے ہزاروں نظام خیر کو نظام شر میں تبدیل کردیے ہیں، تاریخ کی ادنیٰ معلومات رکھنے والے حضرات اچھی طرح واقف ہیں کہ جب بھی دنیا میں کوئی معاملہ اسلام اور اسلامی تعلیمات کے منافی کھڑا ہوا تو اس کا قلع قمع کرنے میں مدارس ہی پیش پیش رہے ہیں، چونکہ نظام مدارس کی بنیاد ہی اسلیے پڑی تھی کہ انسان تعلیم کی روشنی میں صحیح اسلامی تعلیمات سے آگاہ اور متعارف ہوجائے، اس لیے قابل مبارکباد ہیں وہ لوگ جو مدارس قائم کرتے اور چلاتے ہیں کہ یہ دارین میں کام آنے والے اور موت کے بعد قبر میں مغفرت کے ذریعے ہوں گے۔آقائے دوجہاں ﷺ نے مدارس کو اپنا گھر قرار دیا،فارغین مدارس اپنے اپنے طور ملت کی کشت بنجر کو آب علوم اسلامیہ سے سرسبز وشاداب کرنے کی سعی و کوشش کرتے ہیں۔

ہر دور میں اپنے اور غیر سبھی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ مدارس اسلامیہ نے انسانی معاشرہ میں ہر ممکنہ اصلاح پسند تحریکیں چلا کر عامۃ الناس کو چین و سکون کی دولت عطا فرمائی ہیں ،صرف کچھ صاحبانِ مدارس یا بانیان مدارس جو نا کے برابر ہیں کی بدنظمی اور ناعقبت اندیشی کی وجہ سے دور حاضر میں مدارس دم توڑتے ہوئے نظر آرہے ہیں، جن کی بنیاد پر مدارس کا تعلیمی اور انقلابی حسن مدھم پڑنے لگا ہے اگر اہل مدارس اسلاف کی طرح مجلس مشاورت کی اہمیت کو تسلیم کرلیں اور اکابر علما و ماہرین سے رابطہ کیا کریں تو حسن سابق کی واپسی یقینی ہے ،عوام کی اکثریت فارغین مدارس سے ہمیشہ یہ توقع رکھتی ہے کہ وہ عوام کو عوامی سطح کی زبان وادب میں نئے اصطلاحات میں افہام وتفہیم کا راستہ ہموار کریں گے ،جب کہ آج کے فارغین میں یہ کمی شدت سے محسوس کی جارہی ہے کہ وہ عوام کو اپنی بات منوانے میں ناکام ہیں، مثلاً مسلکی اور مذہبی امور میں پائے جانے والے اختلافات میں جو روش اپنائی جاتی ہے وہ ناقابل قبول اور غیر مہذب ہوتا ہے ،ابھی پچھلے ماہ کی بات ہے کہ کچھ لوگ ایک جگہ تقریر کے نام پر جمع ہوئے مگر پوری تقریر میں خطبہ کے علاوہ سوائے طعن وطنز کے کچھ بھی نہیں سن پائے ،حد تو یہ رہی کہ مسلکی اختلافات کو بغیر دلائل کے بھونڈی زبان میں پیش کیے گئے، حالاں کہ کسی بھی تقریر کا مقصد اصلاح اور صراط مستقیم کی دعوت دینا ہوتا ہے ،افسوس کہ ایسی تقریر یا اس جیسی تقریروں کی کثرت ہونے لگی ہے، اس کا ذمہ دار بھی مدارس کو ہی ٹھہرایا جاتا ہے کہ انہوں نے طلبہ میں اسلاف کا جامِ وعظ و نصیحت پلانے میں تنگ دلی کا مظاہرہ کیا ہے ،ایک صاحب نے ایک ہفتہ پہلے دوران گفتگو بتایا کہ وہ پیشہ سے تاجر ہیں ،ان کو کچھ مسائل تجارت اور وراثت کے متعلق جاننے تھے ، چھ دنوں کی لمبی مدت کے بعد کسی ماہر عالم دین سے ملاقات کرنے کا وقت ملا اور ملنے کی سعادت نصیب ہوئی، کیوں کہ شہر میں موجود ائمہ ان کو سمجھانے سے قاصر رہے ،اس طرح کے درجنوں واقعات ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ جدید فارغین علما کو دور حاضر کے مصطلحات سے مکمل واقفیت نہیں ہوتی ہے حالاں کہ اس کا جاننا ضروری ہی نہیں بلکہ از حد ضروری ہے ،صاحبان مدارس کو چاہیے کہ اپنے نصاب میں ان مصطلحات کی گنجائش پر غور کریں اور نصاب میں ضرور شامل کریں ، نصاب مدارس میں مذہبی امور پر بھی غور وخوض کی ضرورت ہے ، مکاتب میں پڑھنے والے ایسے ہزاروں بچے ہیں جو مکاتب میں امام یا مدرس کے پاس پڑھنے کے باوجود تجوید سے کلی نابلد اور تجوید سے قرآن پڑھنے سے قاصر ہیں ، جب کہ کل کتب فقہیہ سے یہ بات ثابت ہے کہ قرآن کو تجوید و مخارج کی رعایت کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے ،نہ پڑھنے کی صورت میں صرف یہی نہیں کہ قرآن صحیح نہیں پڑھا بلکہ گناہ کا مستحق ہوگا،الغرض صاحبان مدارس کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے مدارس میں ایسا نصاب رائج کرے جس سے کہ مقصد میں ناکامی نہ ہو،اس لیے یہ ضروری ہے کہ مکاتب ،مدارس اور جامعات کے تعلیمی نظام کا از سر نو جائزہ لیا جائے اور صاحبان مدارس اس کے ذمہ دار ہیں ،وہ اپنے ماتحت درس و تدریس کا کام انجام دینے والوں پر سخت تاکید کے ساتھ ساتھ ماہرین کو ان امور کی طرف توجہ مرکوز کرنے کو کہیں اور اساتذہ کو اچھی ہدایات جاری کریں ،بصورت دیگر سست کاہل افراد کو برخواست کرنے میں تساہلی اور مصلحت کوشی سے کام نہ لیں۔

فقط محمد اختر علی واجد القادری
جامعہ اسلامیہ یتیم خانہ نیا نگر میرا روڈ ممبئی
akhtarkhair@gmail.com

☆☆☆☆

سفرِ آخرت

الحاج محمد حسین انصاری (سابق خازن الجامعۃ الاشرفیہ) کا انتقال

قارئینِ اشرفیہ کو نہایت افسوس کے ساتھ یہ اطلاع دی جارہی ہے کہ مبارک پور کی مایہ ناز شخصیت، سماجی کارکن اور جامعہ اشرفیہ کے سابق خازن الحاج محمد حسین انصاری ۱۱/ اگست ۲۰۱۴ء پیر کے دن ۹۵/ برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے انتقال کی خبر نے پورے قصبہ کو غم واندوہ میں مبتلا کر دیا۔ جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ وطلبہ اور دیگر اسٹاف نے اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا اور مرحوم کی نمازِ جنازہ میں شریک ہوکر رحمت ومغفرت کی دعا کی۔ الحاج محمد حسین مرحوم تقریباً ۳۰/ سال تک جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے خازن رہے اور تاحیات جامعہ کی تعمیر وترقی کے لیے کوشاں رہے۔ جلالۃ العلم حضور سرکار حافظِ ملت علیہ الرحمۃ اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے آپ کو بے پناہ عقیدت اور لگاؤ تھا۔ اسی عقیدت ومحبت کا نتیجہ تھا کہ آپ نے "حافظِ ملت: میری نظر میں" نامی کتاب لکھی اور اپنے محسن ومربی کی قابلِ رشک حیات وخدمات سے دنیا کو متعارف کرایا۔ دوسری کتاب حکمت اور طبِ یونانی سے متعلق ترتیب دی۔ حاجی محمد حسین انصاری بہت سارے اوصاف کے حامل تھے۔ دین وسنیت کے ایک بے لوث خادم کی حیثیت سے پوری زندگی بسر کی اور قوم وملت کی فلاح وبہبود اور ہمہ جہت ترقی کے خواب کو شرمندۂ تعبیر بنانے میں زندگی کے قیمتی لمحات گزارے۔ حافظِ ملت والی مسجد "کمال بابا" کے متولی رہتے ہوئے ۲۶/ سال تک امامت وخطابت کے فرائض انجام دیے۔ پس ماندگان میں ۷/ لڑکے اور ۳/ لڑکیاں ہیں۔

الحاج محمد حسین صاحب مرحوم گوناگوں اوصاف وکمالات کے حامل ہونے کے ساتھ جود وسخا میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ وہ مبارک پور کے قدیم دولت مندوں میں تھے۔ دین وسنیت کا درد ان کے رگ وریشہ میں رہتا تھا۔ عبادت وریاضت میں بھی بلند تھے۔ وجیہ چہرہ، لمبی داڑھی اور رئیسانہ انداز سے زندگی گزارتے تھے۔

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ قبلہ دامت برکاتہم العالیہ، سربراہِ اعلیٰ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور ساڑھے نو بجے شب آبائی قبرستان علی نگر میں تدفین عمل میں آئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ حاجی محمد حسین مرحوم کی مغفرت فرمائی اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل وشکرِ جزیل سے نوازے۔ قارئینِ اشرفیہ سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

از: طفیل احمد مصباحی

دار العلوم یتیم خانہ صفویہ کرنیل گنج کے استاذ حافظ محمد وسیم بقائی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے

یہ خبر اہلِ سنت وجماعت میں انتہائی غم کے ساتھ سنی جائے گی کہ استاذ الحفاظ شیخ التجوید حضرت حافظ محمد وسیم بقائی ۱۷/ شوال المکرم ۱۴۳۵ھ/ ۱۲/ اگست ۲۰۱۴ء کو صبح ۵/ بجے انتقال فرما گئے۔ حضرت گذشتہ ۵۲ برس سے دار العلوم یتیم خانہ صفویہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ آپ کے سیکڑوں تلامذہ ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ حضرت حافظ صاحب پابندِ صوم وصلاۃ اور انتہائی نیک سیرت تھے۔ خوش اخلاقی اور بلند کرداری آپ کی زندگی کے معمولات تھے، مقامی اور بیرونی حضرات سے انتہائی شفقت ومحبت سے ملتے، دار العلوم کے تعلیمی معیار پر خصوصی توجہ فرماتے، آج دار العلوم یتیم خانہ کی شہرت ملک بھر میں شعبۂ حفظ وقراءت کی بنیاد پر ہے۔ اس شہرت ومقبولیت میں حافظ صاحب کی قربانیوں کا بہت کلیدی کردار ہے۔ آپ کے تلامذہ آپ سے بے پناہ محبت فرماتے ہیں اور ہر ممکن حد تک ان کی خدمت کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھتے ہیں۔ ان کی رحلت سے تلامذہ اور اہلِ خانہ نے حد درجہ احساسِ غم کیا اور مرحوم کے لیے فاتحہ اور ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا۔

قاری صاحب "بڑے حافظ جی" کے نام سے معروف تھے۔ آپ کی ولادت محلہ سکرورہ کرنیل گنج کے ایک معزز دین دار خاندان میں ۱۹۴۶ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مولوی ڈاکٹر مظفر الدین بقائی نے دی، حفظ کی تعلیم مدرسہ صدر العلوم گونڈہ میں اور تکمیل دار العلوم یتیم خانہ صفویہ (جو اس وقت صفی پور شریف ضلع اناؤ میں تھا) میں ۱۹۵۹ء میں ہوئی۔ تجوید وقراءت کے لیے آپ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور آئے، اور جب دار العلوم یتیم خانہ صفویہ کرنیل گنج میں قائم ہوا تو آپ ۱۹۶۲ء میں درس وتدریس میں لگ گئے اور تدریس کے دوران آپ نے اپنے مشفق استاذ حضرت قاری عبد الحکیم عزیز علیہ الرحمۃ سے اسی دار العلوم میں تجوید وقراءت کی تکمیل فرمائی۔ آپ نے تدریسی خدمات کے ساتھ مرکزی مسجد مسجد مینہاران میں پچاس برس تک امامت کے فرائض انجام دیے۔ ۱۴۰۷ھ میں آپ نے حج وزیارت کی دولت بھی حاصل کی۔

حافظ محمد وسیم بقائی علیہ الرحمۃ سلسلہ بقائیہ سے شرفِ بیعت رکھتے تھے اور اپنے مرشدِ گرامی علیہ الرحمۃ سے بے پناہ عقیدت ومحبت رکھتے

تھے۔ آج ان کے پیر خانے میں مسندِ سجادگی پر پیرِ طریقت حضرت شاہ شعیب العلیم بقائی جلوہ گر ہیں اور وہی آج دار العلوم کے سربراہِ اعلیٰ بھی ہیں۔ موجودہ صاحبِ سجادہ بھی حضرت حافظ صاحب سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ حافظ صاحب کے وصال پر ملال پر پیرانہ خاندان نے حد درجہ غم کیا اور اپنی شانِ کریمانہ کے مطابق ان کے لیے دعائیں فرمائیں۔

نمازِ جنازہ میں مقامی اور بیرونی کثیر حضرات نے شرکت فرمائی، نمازِ جنازہ ان کے برادرِ گرامی جناب حافظ محمد شمیم بقائی نے پڑھائی۔ اہم شرکا میں خانقاہ بقائیہ کے سجادہ نشیں، پیرِطریقت حضرت شعیب العلیم بقائی، حضرت مولانا مفتی عبد الحق رضوی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، استاذ القرا حضرت قاری ذاکر صدر المدرسین جامعہ حنفیہ لکھنؤ، استاذ القراء حضرت قاری محمد احمد بقائی ناظم اعلیٰ جامعہ حنفیہ لکھنؤ، گرامی وقار جناب ذکی بقائی، کرنیل گنج وغیرہ نے شرکت فرمائی۔

از: مبارک حسین مصباحی

الحاج محمد نور اللہ انصاری کا سفرِ آخرت

۵/ رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ مطابق ۴/ جولائی ۲۰۱۴ء بروز جمعرات ۹/ بجے شب اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف کوچ کر گئے۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔ حاجی صاحب مرحوم کافی ضعیف ہو چکے تھے اور گزشتہ کئی سال سے علیل چل رہے تھے۔ وقتِ انتقال عمر تقریباً ۹۶/ سال کی تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت ساری خوبیوں سے نوازا تھا، صوم وصلاۃ کے پابند، خوش خلق، بلند کردار اور سنجیدہ مزاج انسان تھے۔ سینے میں قوم و ملت کا سچا درد تھا اور جماعتی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ جامعہ اشرفیہ اور یہاں کے اساتذہ وطلبہ کا خاص خیال رکھتے اور جامعہ اشرفیہ کی ہمہ جہت ترقی میں فکری وعملی طور پر حصہ لیا کرتے۔

حاجی صاحب مرحوم جامعہ اشرفیہ کی مجلسِ شوریٰ کے اہم رکن تھے، ان کے انتقال سے جامعہ اشرفیہ اپنے ایک عظیم محسن سے محروم ہو گیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیبِ پاک ﷺ کے صدقے مرحوم کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر و شکر کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔ قارئینِ اشرفیہ سے گزارش ہے کہ وہ حاجی صاحب مرحوم کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں۔ (ادارہ)

مولانا صابر رضا رہبر مصباحی کو صدمہ

مولانا صابر رضا رہبر مصباحی (سب ایڈیٹر روز نامہ انقلاب، پٹنہ) کے فرزند ارجمند محمد شبلی نور کا ۱۶/ اگست ۲۰۱۴ء ساڑھے گیارہ بجے دن پٹنہ میڈیکل کالج اینڈ ہاسپیٹل میں انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ عزیزم شبلی نور کی عمر ایک سال تین مہینہ ۲۴/ دن تھی۔ اس ناگہانی اور غیر طبعی موت نے جملہ اہلِ خاندان کو حد درجہ رنج وغم میں مبتلا کر دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مولانا صابر رضا رہبر مصباحی کو اس کا بدل اور نعم البدل عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر و شکر کی دولت سے نوازے۔ رہبر مصباحی کے غم واندوہ میں ذمہ دارانِ اشرفیہ برابر کے شریک ہیں۔ قارئینِ اشرفیہ سے دعاؤں کی درخواست ہے۔

از: طفیل احمد مصباحی

فیضانِ صادق

صفحات: ۵۷۹

مصنف: حضرت مولانا محمد حنیف نیازی

یہ کتاب پاسبانِ مسلکِ اعلیٰ حضرت نائبِ محدثِ اعظم پاکستان نباضِ قوم مولانا الحاج پیر مفتی ابو داؤد محمد صادق قادری رضوی دامت برکاتہم العالیہ کی حیات اور ان کے مجاہدانہ کارناموں پر مشتمل ہے۔ زبان و بیان عمدہ اور لب و لہجہ سادہ و دل نشیں ہے۔ موصوف گوجرانوالہ کی عظیم دینی درس گاہ جامعہ حنفیہ رضویہ سراج العلوم کے بانی اور ماہ نامہ "رضائے مصطفیٰ" گوجرانوالہ پاکستان کے سرپرست اعلیٰ ہیں۔ تفصلی تبصرہ آئندہ پیش کیا جائے گا۔

ناشر

ادارہ رضائے مصطفیٰ چوک دار السلام، ضلع گوجرانوالہ پاکستان

اشرفیہ کلینڈر 2015ء

اشرفیہ کلینڈر 2015ء شائع ہو گیا ہے۔ آج ہی اپنا آرڈر بک کریں۔

منیجر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ 276404

فون نمبر: 05462-250149

رودادِ چمن

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں
علامہ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمۃ کا عرس منایا گیا

ولادت: ۱۹۱۲ء میں موضع بھوج پور، پوسٹ سکھ پورہ ضلع مراد آباد میں ہوئی۔ وصال ۱۳ر شوال ۱۳۹۱ھ مطابق ۲ر دسمبر ۱۹۷۱ء میں ہوا، نمازِ جنازہ حضرت حافظ ملت قدس سرہ نے پڑھائی۔

علامہ عبدالرؤف علیہ الرحمۃ کو علم کلام اور دیگر علوم و فنون میں ید طولی حاصل تھا، اساتذہ و طلبہ مختلف علوم و فنون کے لاینحل مسائل کو لے کر حاضر ہوتے اور آپ انھیں اپنی خداداد صلاحیتوں سے حل کردیتے تھے۔ مذکورہ خیالات کا اظہار مولانا نصیر الدین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ نے عزیز المساجد میں نائب شیخ الحدیث علامہ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمۃ کے منعقدہ سالانہ عرس کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ آپ حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے اتنے چہیتے تھے کہ حافظ ملت نے طلبہ کے سارے معاملات ان کے حوالے کردیے تھے، آپ کے تواضع وانکساری کا یہ حال تھا کہ اس منصب پر فائز ہونے کے باوجود جب کبھی حضور حافظ ملت کی درس گاہ میں جانا ہوتا تو پہلے حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی جوتیاں سیدھی کرتے پھر اندر داخل ہوتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کے ساتھ ساتھ تواضع وانکساری بھی سیکھنی چاہیے آپ اوصاف اور اعلیٰ کردار کے جامع تھے، اتنے محنتی تھے کہ حافظ ملت علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے آپ محنت کم کیا کریں۔ علامہ عبدالرؤف علیہ الرحمۃ کوئی کتاب بغیر مطالعہ کے نہیں پڑھایا کرتے تھے، بسا اوقات نیچے درجہ کی کوئی کتاب اگر زیر درس ہوتی تو اسے بھی مطالعہ کرتے پھر درس دیتے۔

جامعہ کے ناظم تعلیمات علامہ محمد احمد مصباحی نے اپنے خطاب میں رئیس التحریر علامہ ارشد القادری کے حوالے سے کہا کہ علامہ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمۃ کے ذوقِ مطالعہ کا یہ حال تھا کہ مبارک پور کے گولہ بازار میں بہت بڑے بڑے جلسے ہوا کرتے تھے مگر آپ مطالعہ چھوڑ کر جلسوں میں شامل نہیں ہوا کرتے تھے۔ علامہ موصوف نے اپنے مختصر ناصحانہ خطاب میں طلبہ کو علم کے حصول کی تلقین، اور غیر ضروری کاموں سے پرہیز پر زور دیا۔

الجامعۃ الاشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ علامہ شاہ عبدالحفیظ دام ظلہ نے کہا کہ آپ بلند اخلاق، منکسر المزاج، صابر و شاکر اور صبر و تحمل کے پیکر تھے، علامہ حافظ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمۃ کا ترتیب و تدوین کے حوالہ سے بھی بڑا اہم کارنامہ ہے آپ نے فتاویٰ رضویہ کے مسودے کی متعدّد جلدوں کو مرتب فرمایا اور بڑے سلیقے سے ان کی سنی دارالاشاعت مبارک پور سے اشاعت فرمائی۔ آپ کے اس عظیم کارنامے کا اعتراف جہان سنیت کے مختلف طبقات نے کیا۔ سربراہ اعلیٰ موصوف نے طلبہ کو مدرسے کے اصول و ضوابط اور پابندیِ وقت اور اس کی اہمیت کا احساس دلاتے ہوئے کہا کہ علامہ علیہ الرحمۃ کی زندگی علما، طلبا اور عوام الناس کے لیے مشعل راہ ہے آپ کی پاکیزہ زندگی کے انمٹ نقوش کو اپنا کر ایک کامیاب زندگی گذاری جاسکتی ہے، آپ ہر موڑ پر حافظ ملت علیہ الرحمہ کے دست و بازو بنے رہے اور زندگی بھر جامعہ کی تعمیر و ترقی کے لیے کوشاں رہے، آپ کی زندگی نمونۂ عمل ہے ہمیں بھی دین متین کی خدمت کے لیے کچھ نہ کچھ کرنے کا جذبہ اپنے اندر بیدار رکھنا چاہیے۔

آٹھ بجے صبح میں قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا جس میں جامعہ کے جملہ اساتذہ و طلبہ نے شرکت کرکے تلاوت کلام اللہ کیا اور علامہ علیہ الرحمۃ کی پاکیزہ روح کو ایصال ثواب کیا۔

تقریب کا آغاز قاری نورالحق کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ بعدہ علامہ علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں منظوم خراج عقیدت پیش کیا گیا، اخیر میں صلوۃ و سلام اور جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث الحاج علامہ عبد الشکور مصباحی کی دعا پر تقریب کا اختتام ہوا ساتھ ہی ساتھ علامہ موصوف نے جملہ مسلمانانِ عالم، خاص طور سے اہل مبارک پور کے جان و مال عزت آبرو کی حفاظت اور وسعت رزق کے لیے دعا فرمائی۔ اخیر میں جملہ حاضرین کو شیرینی بھی تقسیم کی گئی۔

تقریب کی صدارت جامعہ کے سربراہ اعلیٰ علامہ شاہ عبدالحفیظ دام ظلہ اور نظامت مفتی زاہد علی سلامی نے کی۔ اس موقع پر جامعہ کے پرنسپل مفتی محمد نظام الدین رضوی، مفتی محمد معراج القادری مصباحی، مولانا اعجاز احمد مصباحی، مولانا مسعود احمد برکاتی، مولانا ناظم علی مصباحی، مولانا اختر کمال مصباحی، مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا صدر الوری مصباحی، مفتی بدر عالم مصباحی، مفتی محمد نسیم مصباحی، مولانا عرفان احمد مصباحی، مولانا ساجد علی مصباحی، مولانا غلام دستگیر مصباحی، مولانا اختر حسین فیضی، مولانا حسیب اختر مصباحی، مولانا غلام نبی مصباحی اور ماسٹر فیاض احمد وغیرہ کے علاوہ جامعہ کے جملہ اساتذہ اور جملہ طلبہ خاص طور سے موجود تھے۔

محمد رحمت اللہ مصباحی، آفس انچارج تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور

خیر و خبر

تنظیم ابنائے اشرفیہ شاخ ہوڑہ کا احتجاجی پروگرام

فلسطین کی پرزور حمایت اور اسرائیلی و امریکی مصنوعات کا بائیکاٹ

(ہوڑہ) دنیا میں امن و مان کی دہائی دینے والی امریکی اور یہودی طاقتیں غزہ فلسطین پر پیہم یہودی دہشت گردوں کے حملے پر محو تماشا ہیں اور مسلمانوں کے نام پر امریکی اور اسرائیلی مفادات کو تحفظ فراہم کرنے والے نام نہاد عرب حکمراں، عیش و عشرت میں مست عرب شیوخ کی زبانیں گنگ ہوگئی ہیں ان کی طاقتیں صرف مسلمانوں کا خون پسینہ چوسنے اور اور امریکی اور اسرائیلی دہشت گرد حکومتوں کی مالی اعانت کر کے ان کی دہشت گردانہ پالیسی کو بڑھاوا دینے میں ہے لیکن مسلمانوں کے جان و مال کا تحفظ ان کے یہاں جوئے شیر لانے کے مترادف ہے ایسی صورت میں ہم ہندوستانی مسلمان امریکی اور اسرائیلی حکومتوں کو ان کے ناپاک ارادے میں ناکام کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے مظلوم مسلمان بھائیوں کی سچی مدد کے لیے کم ازکم امریکی اور اسرائیلی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کریں اور یہی سب سے موثر ہتھیار ہے کیوں کہ جب اسلام دشمن طاقتیں مالی لحاظ سے کمزور ہوجائیں گی تو ان میں مسلمانوں کے خلاف حملہ کرنے کی طاقت نہیں رہے گی اور پھر صیہونی اسرائیلی حکومت کی مدد یافتہ برسر اقتدار بی جے پی حکومت نے اسرائیلی ظلم و ستم کی حمایت کر کے اور مظلوم مسلمانوں پر ہورہے مسلسل یلغار کے خلاف آواز بلند نہ کر کے یہ ثابت کردیا کہ ہم ظالم حکومت انسان دشمن اسرائیلی دہشت گردوں کے ساتھ ہیں۔

ان خیالات کا اظہار عراق و شام اور فلسطینی مظلوم مسلمانوں کی حمایت اور انسان دشمن اسرائیلی، یہودی دہشت گردی اور "داعش" دہشت گرد گروپ (آئی ایس آئی ایس) کی کھلی ہوئی اسلام دشمنی کے خلاف مسلمانان ٹکیہ پاڑہ ہوڑہ کی جانب سے تنظیم ابنائے اشرفیہ شاخ ہوڑہ کے زیر اہتمام ایک زبردست پر امن احتجاجی پروگرام بنام "فلسطینی مسلمانوں کا قتل عام مسلمانوں کی نسل کشی" بمقام مارٹن گوڈائون، ہوڑہ منعقدہ پروگرام میں تشریف لائے علما کرام و دانشوران نے کیا۔ جس میں معروف علمائے کرام سیاسی و سماجی ملی قائدین صحافی حضرا ت نے صیہونی حکومت کے خلاف اپنے دکھ درد کا اظہار کیا اور ڈی ایم ہوڑہ سمن جن داس، ہوڑہ سٹی کمشنر اجے راناڈے، وزیر مارکیٹنگ مغربی بنگال اروپ رائے، ایم پی پرسون بنرجی، کے علاوہ وزیر اعلیٰ ممتا بنرجی، کیسری ناتھ ترپاٹھی، گورنر مغربی بنگال، وزیر اعظم نریندر مودی، صدر جمہوریہ پرنب مکھرجی، وزیر داخلہ راج ناتھ سنگھ، وزیر خارجہ ششما سوراج، کو میمورنڈم روانہ کیا گیا۔ میمورنڈم میں مظلوم فلسطینی، عراقی و شامی مسلمان بھائیوں کی حمایت میں ہندوستانی حکومت سمیت عرب حکمرانوں سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ حکومت ہند سمیت عرب حکمرانوں کے مسلم مخالف رویہ سے ہم سخت ناراض ہیں، فلسطین کے بے قصور مارے جارہے مسلمانوں کے حق میں حکومت ہند انسانیت کی بنیاد پر اپنی آواز بلند کرے، حکومت ہند اسرائیلی حکومت کی پارلیمنٹ میں مذمت کر کے اس سے اپنے تعلقات جلد از جلد ختم کرے، اور اسرائیلی و امریکی ایجنٹ اسلام دشمن داعش (آئی ایس آئی ایس) کی انتہا پسندانہ نظریات اور طرز عمل سے سنی مسلمانوں کو بدنام کرنے کی سازش نہ کی جائے تاکہ ہندوستان سمیت دنیا میں امن و مان قائم رہے۔ اس موقع سے تنظیم ابنائے اشرفیہ شاخ ہوڑہ کے کنوینر مولانا محمد عارف حسین مصباحی نے "فلسطینی مسلمانوں کا قتل عام مسلمانوں کی نسل کشی" کے حوالے سے اپنے افتتاحی خطاب میں کہا کہ فلسطینی مظلوم مسلمانوں پر ہورہے مسلسل اسرائیلی دہشت گردی کی یلغار کے خلاف عرب دنیا سمیت عالمی حکمرانوں کو اسرائیل پر لگام کسنے میں ناکام رہنا انسانیت کے خلاف حملہ اور انسانی جرائم کا بدترین عملی نمونہ ہے جس پر ہندوستانی حکومت کو انسانی اقدار و شرافت کا خیال رکھتے ہوئے انسانوں کے تحفظ کے لیے حق کی آواز بلند کرنا چاہیے کیوں کہ بحیثیت انسان سب کے جان و مال کی وہی قیمت ہے جو ایک اسرائیلی یہودی اور امریکی شہری کی ہے لیکن اس کے برخلاف اگر ایک امریکی یا اسرائیلی فرد کو اس کے بدعملی اور بدتمیزی پر لگام کسا جائے تو پوری صیہونی حکومت پہاڑ سر پر اٹھالیتی ہے اور فلسطین، غزہ پر مسلسل اسرائیلی دہشت گردی کا ننگا ناچ ناچا جارہا ہے دو ہزار سے زائد بے قصور مسلمانوں کا خون بہایا گیا کئی ہزار مرد و عورت بوڑھے بچے مورخہ ۸/ جولائی سے ہونے والے حملے میں زخمی ہوکر موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہیں انہیں علاج و معالجہ کے لیے نہ دوائیں مل رہی ہیں اور نہ ہی کھانے کا سامان، بے سروسامانی کے عالم

میں ہیں پھر بھی یہودی دہشت گردی کے خلاف حقوق انسانی کے علم برداروں میں نہ تو کوئی ہمت ہے اور نہ عرب مسلم حکمراں صیہونی دہشت گردی سے سفارتی تعلقات ختم کرنے کے درپے ہیں جو درحقیقت ان کی امریکی اور اسرائیلی حکمرانوں کی دریوزہ گری کے سوا کچھ بھی نہیں اس لیے جہاں تک ہو سکے ہم لوگ امریکی و اسرائیلی مفادات ناکام کریں۔

مولانا سخاوت حسین برکاتی خطیب و امام نوری مسجد نے اپنے پرجوش لب و لہجہ میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ امریکی حکومت کی دو ناجائز اولاد ہیں ایک کا نام اسرائیلی حکومت ہے اور دوسرے کا نام سعودی حکومت ہے جب اسلام اور مسلمانوں پر امریکہ حملہ کرنا چاہتا ہے تو اسرائیلی حکومت کو استعمال کرتا ہے اور جب مسلمانوں کو آپس میں کمزور اور ناکارہ بنانے کی پلاننگ کرتا ہے تو سعودی حکومت کو استعمال کرتا ہے اور اس کی مالی مدد کے ذریعے "داعش" (آئی ایس آئی ایس)، القاعدہ، طالبان جیسے شدت پسند سلفی وہابی گروپ سامنے آتے ہیں اور انسانوں کا قتل و خون کر کے انبیاے کرام اور اولیاے کرام کی مزارات کو منہدم کرتے ہیں دنیا میں فساد برپا کرتے ہیں اور صیہونی حکومت کے ناپاک مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں اس لیے مسلمانوں کے لیے جس طرح امریکی اور اسرائیلی حکومت خطرہ ہے اسی طرح عرب حکمرانوں کی مجرمانہ خاموشی بھی۔

پروگرام کا افتتاح تلاوت کلام پاک سے مولانا ذوالفقار احمد ضیائی نے کیا۔ دعا مولانا محمد طاہر مصباحی نے کی ہزاروں کی تعداد میں موجود فرزندان توحید نے اپنے رب کی بارگاہ میں التجائیں کیں۔ اس موقع سے مولانا محمد شہنواز احمد ضیائی، مولانا شمیم احمد ضیائی، مولانا فتح اللہ اشرفی، محمد نذیر برکاتی محمد سلیم عزیزی، محمد احمد حسین برکاتی، ایڈوکیٹ محمد عارف، سراج عطاری، محمد عرفان احمد انصاری، محمد اشتیاق قادری، محمد جاوید رضوی کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں مندوبین نے شرکت کی اور فلسطینی مظلوم مسلمانوں کی حمایت اور یہودی اسرائیلی دہشت گردی کی مخالفت میں آواز بلند کی۔ از: دفتر تنظیم ابنائے اشرفیہ شاخ ہوڑہ۔

نوری مشن مالیگاؤں کے تحت جشن یوم رضا

مالیگاؤں ۸/اگست - امت مسلمہ کو زبوں حالی سے نکالنے کے لیے امام احمد رضا کی تدابیر آج بھی رہنما ہیں۔ آپ نے فرنگی عہد میں ۷۲/ سے زائد علوم و فنون میں نگارشات پیش کر کے مسلمانوں کے عہد عروج کی یاد تازہ کردی۔ خلافِ شریعت اُمور کے مقابل سُنّت کی راہیں استوار کرنا امام احمد رضا کا عظیم کارنامہ ہے جس کے سبب آج عالمی جامعات میں آپ کی خدمات پر ریسرچ کی جارہی ہے۔ ان جملوں سے خطیبِ کوکن مفتی سید محمد رضوان شافعی رفاعی نے اپنے خطاب کا آغاز کیا۔ موصوف نوری مشن کے تحت مدینہ مسجد میں منعقدہ جشن ولادتِ امام احمد رضا سے مخاطب تھے۔ امام احمد رضا کی دینی خدمات اور عشق رسول ﷺ کے تناظر میں فرمایا کہ اعلیٰ حضرت کی خدمات کا سب سے اہم پہلو اُمّتِ مسلمہ میں عشق و محبت رسالت مآب ﷺ کی اشاعت ہے۔ آپ کے تلامذہ نے دین کی نشر و اشاعت کے لیے درس و تدریس، دعوت و تبلیغ، افتا و ارشاد غرض کہ ہر شعبے میں مثالی و علمی کارنامہ انجام دیا جس پر مسلمانوں کو فخر ہے۔ مکمل خطاب سنجیدگی سے سُنا گیا۔ تحقیقاتِ رضویہ کے ضمن میں کہا کہ: آپ کا فتاویٰ جدید ترتیب کے بعد ۳۰/ جلدوں میں عظیم فقہی شاہکار ہے۔ جس سے پوری دنیا میں استفادہ کیا جارہا ہے۔ آپ نے اس کے عربی خطبہ کے توسط سے حمد و نعت ایسے انداز میں کی کہ فقہ کی ۹۰/ کتابوں کے نام پُرو دیے۔ پروگرام کا آغاز حافظ اظہار رضوی کی تلاوت سے ہوا۔ افتتاحی خطاب مولانا عرفان مصباحی نے فرمایا اور کہا کہ بدعات و غیر اسلامی رسم و رواج کے خاتمہ کے لیے تحقیقاتِ امام احمد رضا آج بھی رہنما ہیں جن سے استفادہ کر کے مغرب کے فتنوں کا جواب دیا جاسکتا ہے۔ صدارت الحاج محمد انیس غازیانی برکاتی نے فرمائی۔ الحاج عبدالمجید رضوی بکھار والے، ماہر توانائی انجینئر حاجی فیاض احمد، الحاج یوسف الیاس، سلیم راشن والے نے علماے کرام کا استقبال کیا۔ اس موقع پر نوری مشن کی ۶۷/ ویں اشاعت "اہل سنت وجماعت کون؟" از محمد احمد ترازی کا اجرا خطیب کوکن کے بدست عمل میں آیا۔ شرکا میں کتاب تقسیم کی گئی۔ نظامت وسیم رضوی نے کی۔ پروگرام میں مولانا احمد رضا ازہری، مولانا نورالحسن رضوی مصباحی، مفتی نعیم رضا برکاتی، حافظ فراز احمد برکاتی، مولانا عبد اللہ حنفی، مولانا ذوالفقار رضا، حافظ محمد رضا، حافظ مبین احمد، حافظ نوید رضوی شریک تھے۔ اسلام و مسلمانان عالم کے لیے دُعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔ انعقاد و اہتمام میں غلام مصطفی رضوی کے زیر نگرانی جنید رضا، سعید رضا، فرید رضوی، جاوید رضوی، سبطین رضا، رضوی شہباز پٹھان، ظفر، اخلاق، عتیق مالیگ نے اہم کردار ادا کیا۔ نوری مشن نے رپورٹ ارسال کی۔ ☆☆☆☆